نئی آواز

اُردو کور کی درسی کتاب

(بارھویں جماعت کے لیے)

5286

विद्यया ऽमृतमश्नुते

एन सी ई आर टी
NCERT

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

© NCERT not to be republished

Nai Awaz Core Urdu
Textbook, for Class XII

ISBN 978-93-5007-153-3

پہلا ایڈیشن

مارچ 2012 چیتر 1933

دیگر طباعت

ستمبر 2013 بھادر 1935

مارچ 2019 چیتر 1940

PD 2T SPA

© نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ 2012

قیمت: ₹ 110.00

این سی ای آر ٹی واٹر مارک 80 جی ایس ایم کاغذ پر شائع شدہ

سکریٹری، نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹرینگ، شری اروندو مارگ نئی دہلی نے میں چھپوا کر پبلی کیشن ڈویژن سے شائع کیا۔

جُملہ حقوق محفوظ

- ناشر کی پہلے سے اجازت حاصل کیے بغیر، اس کتاب کے کسی بھی حصے کو دوبارہ پیش کرنا، یاد داشت کے ذریعے بازیافت کے سسٹم میں اس کو محفوظ کرنا یا برقیاتی ،میکانیکی ،فوٹو کاپینگ، ریکارڈنگ کے کسی بھی وسیلے سے اس کی ترسیل کرنا منع ہے۔
- اس کتاب کو اس شرط کے ساتھ فروخت کیا جارہا ہے کہ اسے ناشر کی اجازت کے بغیر، اس شکل کے علاوہ جس میں کہ یہ چھاپی گئی ہے یعنی، اس کی موجودہ جلد بندی اور سرورق میں تبدیلی کر کے، تجارت کے طور پر نہ تو مستعار دیا جاسکتا ہے، نہ دوبارہ فروخت کیا جاسکتا ہے، نہ کرایہ پر دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی تلف کیا جاسکتا ہے۔
- کتاب کے صفحہ پر جو قیمت درج ہے وہ اس کتاب کی صحیح قیمت ہے۔کوئی بھی نظر ثانی شدہ قیمت چاہے وہ ربر کی مہر کے ذریعے یا چپی یا کسی اور ذریعے ظاہر کی جائے تو وہ غلط متصوّر ہوگی اور نا قابل قبول ہوگی۔

این سی ای آر ٹی کے پبلی کیشن ڈویژن کے دفاتر

این سی ای آر ٹی کیمپس
شری اروندو مارگ
نئی دہلی - 110016 **فون** 011-26562708

108,100 فِٹ روڈ ہوسڈے کیرے ہیلی
ایکسٹینشن بناشنکری III اسٹیج
بنگلور - 560085 **فون** 080-26725740

نوجیون ٹرسٹ بھون
ڈاک گھر، نوجیون
احمد آباد - 380014 **فون** 079-27541446

سی ڈبلیو سی کیمپس
بمقابل ڈھانکل بس اسٹاپ، پانی ہاٹی
کولکتہ - 700114 **فون** 033-25530454

سی ڈبلیو سی کامپلیکس
مالی گاؤں
گواہاٹی - 781021 **فون** 0361-2674869

اشاعتی ٹیم

ہیڈ، پبلی کیشن ڈویژن : محمد سراج انور
چیف ایڈیٹر : شویتا اُپّل
چیف پروڈکشن آفیسر : ارون چتکارا
چیف بزنس منیجر : ابیناش کُلّو
ایڈیٹر : سید پرویز احمد
پروڈکشن اسسٹنٹ : اتُل سکسینہ

سرورق
اروپ گپتا

© NCERT not to be republished

پیش لفظ

’قومی درسیات کا خاکہ۔ 2005‘ میں سفارش کی گئی ہے کہ بچّوں کی اسکولی زندگی، ان کی باہر کی زندگی سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔ یہ زاویۂ نظر کتابی علم کی اُس روایت کی نفی کرتا ہے جس کے باعث آج تک ہمارے نظام میں اسکول، گھر اور سماج کے درمیان فاصلے حائل رہے ہیں۔ نئے قومی درسیات پر مبنی نصاب اور درسی کتابوں کی تیاری اسی بنیادی مقصد پر عمل آوری کی ایک کوشش کہی جا سکتی ہے۔ اس کوشش میں مختلف مضامین کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے اور رٹ کر پڑھنے کے طریقۂ کار کی حوصلہ شکنی بھی شامل ہے۔ ہمیں امّید ہے کہ ان اقدامات سے قومی تعلیمی پالیسی (1986) میں مذکور تعلیم کے ’طفل مرکوز نظام‘ کی طرف مزید پیش رفت ہوگی۔

اس کوشش کی کامیابی کا انحصار ان اقدامات پر ہے کہ اسکولوں کے پرنسپل اور اساتذہ اپنے تاثرات خود ظاہر کرنے اور ذہنی سرگرمیوں اور سوالوں کے ذریعے سیکھنے کے سلسلے میں بچوں کی ہمّت افزائی کریں۔ ہمیں یہ ضرور تسلیم کرنا چاہیے کہ بچّوں کو اگر موقع، وقت اور آزادی دی جائے تو وہ بڑوں سے حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر نئی معلومات مرتّب کرتے ہیں۔ آموزش کے دوسرے ذرائع اور محلِ وقوع کو نظر انداز کرنے کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب، مجوّزہ نصابی کتاب کو امتحان کے لیے واحد ذریعہ بنانا ہے۔ بچّوں کے اندر تخلیقی صلاحیت اور پیش قدمی کے رجحان کو فروغ دینا اُسی وقت ممکن ہے جب ہم آموزشی عمل میں بچّوں کو بہ حیثیت شریک کار قبول کریں اور ان سے اُسی طرح پیش آئیں۔ انھیں محض مقرّرہ معلومات کا جانکار نہ سمجھیں۔

یہ مقاصد اسکول کے نظام الاوقات (Time-Table) اور طریقۂ کار میں معقول تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ روز مرّہ معمولات میں نرمی کی اتنی ہی اہمیت یا ضرورت ہے جتنی کہ سالانہ کیلینڈر کے نفاذ اور محنت کی، تاکہ تدریس کے لیے دستیاب مدّت کو حقیقتاً تدریس کے لیے وقف کیا جا سکے۔ تدریس اور اندازِ قدر کے طریقوں سے بھی اس امر کا تعیّن ہوگا کہ یہ نصابی کتاب بچّوں میں ذہنی تناؤ اور اکتاہٹ پیدا کرنے کے بجائے ان کی اسکولی زندگی کو خوش گوار بنانے میں کس حد تک موثّر ثابت ہوتی ہے۔ نصابی بوجھ کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے نصاب سازوں نے مختلف سطحوں پر معلومات کی تشکیلِ نو اور اُسے نیا رخ دینے کی غرض سے بچوں کی نفسیات اور تدریس کے لیے دستیاب وقت پر زیادہ سنجیدگی کے ساتھ توجہ دی ہے۔ اس مخلصانہ کوشش کو مزید

not to be republished © NCERT

بہتر بنانے کے لیے یہ نصابی کتاب سوچنے اور حیرتوں کو جگائے رکھنے، چھوٹے گروپوں میں بحث و مباحثہ کو فروغ دینے اور عملاً انجام دی جانے والی سرگرمیوں کو زیادہ اوّلیت دیتی ہے۔

این سی ای آر ٹی اس کتاب کے لیے تشکیل دی جانے والی ''کمیٹی برائے درسی کتاب'' کی مخلصانہ کوششوں کی شکرگزار ہے۔ کونسل زبانوں کی مشاورتی کمیٹی برائے زبان کے چیئرمین پروفیسر نامور سنگھ اور اس کتاب کے خصوصی صلاح کار پروفیسر شمیم حنفی کی ممنون ہے۔ اس درسی کتاب کی تیاری میں جن اساتذہ نے حصّہ لیا، ہم ان کے متعلقہ اداروں کے بھی شکرگزار ہیں۔ ہم ان سبھی اداروں اور تنظیموں کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنے وسائل، مآخذ اور عملے کی فراہمی میں فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ ہم وزارت برائے فروغ انسانی وسائل، حکومتِ ہند کے شعبے برائے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم کی جانب سے پروفیسر مرنال مری اور پروفیسر جی۔ پی۔ دیش پانڈے کی سربراہی میں تشکیل شدہ نگراں کمیٹی (مانیٹرنگ کمیٹی) کے اراکین کا بھی خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنا قیمتی وقت اور تعاون ہمیں دیا۔ باضابطہ اصلاح اور اپنی اشاعت کے معیار کو مسلسل بہتر بنانے کے مقصد کی پابند ایک تنظیم کے طور پر این سی ای آر ٹی تمام مشوروں اور آرا کا خیر مقدم کرتی ہے تاکہ کتاب کو مزید غور وفکر کے بعد اور زیادہ کارآمد اور بامعنی بنایا جاسکے۔

نئی دہلی
مارچ 2011

ڈائریکٹر
نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

© NCERT not to be republished

اس کتاب کے بارے میں

’قومی درسیات کا خاکہ – 2005‘ کی سفارشات کے پیشِ نظر اردو کی یہ درسی کتاب سی بی ایس ای میں رائج ’اردو کور‘ ’بی کورس‘ کے تحت بارھویں جماعت کے طلبا کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں متن کے انتخاب اور پیش کش دونوں سطحوں پر یہ کوشش شامل رہی ہے کہ ’بی کورس‘ کے تحت اردو زبان کی تدریس روایتی اور بوجھل نہ ہو کر طلبا کی زندگی، دلچسپی اور تجربے سے ہم آہنگ ہو سکے اور ان کی لسانی اور ادبی صلاحیتوں میں خاطر خواہ اضافہ ہو جائے۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں: I حصۂ نثر II حصۂ نظم۔ پہلے حصے میں ادبی معلوماتی اور تہذیبی مضامین کے ساتھ ترجمہ، خط، انشایئے، افسانے، سفرنامہ، ڈراما اور ناول کے اقتباسات اور دوسرے حصے میں رباعیات، مثنوی اور نظمیں شامل ہیں۔ کتاب میں متن کے ساتھ دی جانے والی مشقوں میں تفہیمی عملی سرگرمیوں اور نصاب میں شامل عملی قواعد پر خاص توجہ دی گئی ہے۔

کتاب کے ظاہری حسن کو نکھارنے اور طلبا مرکوز بنانے کے لیے مصنّفین کا شخصی تعارف، تصویری خاکے، متعلقہ اصناف کا تعارف اور متن سے متعلق تصاویر شامل کی گئی ہیں۔

اس کتاب کے ذریعے یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ طلبا، کتاب اور استاد کے مابین مکالماتی رشتہ قائم ہو سکے۔

© NCERT not to be republished

کمیٹی برائے درسی کتاب

چیرمین، مشاورتی کمیٹی برائے زبان

نامور سنگھ، پروفیسر ایمیریٹس، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

خصوصی صلاح کار

شمیم حنفی، پروفیسر ایمیریٹس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

چیف کوآرڈی نیٹر

رام جنم شرما، سابق پروفیسر اینڈ ہیڈ، ڈپارٹمنٹ آف لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

اراکین

ابن کنول، پروفیسر، شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

ارتضیٰ کریم، پروفیسر اینڈ ہیڈ، شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

اقبال مسعود، جوائنٹ سکریٹری، مدھیہ پردیش اردو اکادمی، بھوپال

جمشید قمر، مولانا آزاد اسٹڈی سرکل، رانچی

حمید سہروردی، (پروفیسر ریٹائرڈ) گلبرگہ یونیورسٹی، گلبرگہ

خالد محمود، پروفیسر، شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

رضوان الحق، اسسٹنٹ پروفیسر، آر آئی ای، بھوپال

ساحل احمد، (ریڈر ریٹائرڈ) فینکس اپارٹمنٹ، جوہری فارم، جامعہ نگر، نئی دہلی

شامہ بلال، پی جی ٹی، اردو، جامعہ سینیر سیکنڈری اسکول، نئی دہلی

شمس الحق عثمانی، پروفیسر شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

شمیم احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، سینٹ اسٹیفن کالج، دہلی

شہزاد انجم، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

© NCERT not to be republished

عتیق اللہ، پروفیسر (ریٹائرڈ) دہلی یونیورسٹی، دہلی

غضنفر علی، ڈائریکٹر، اکادمی فار پروفیشنل ڈیولپمنٹ آف اردو میڈیم ٹیچرس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

قمر سلیم، سینئر لیکچرر، شعبۂ اردو، انجمن اسلام، اکبر پیر بھائی کالج آف ایجوکیشن، نوی ممبئ

محمد فیروز، (ریڈر ریٹائرڈ) گلی تحصیل دار، کوچہ دکھنی رائے، نئی دہلی

مولا بخش، سینئر لیکچرر، شعبۂ اردو، دیال سنگھ کالج، نئی دہلی

ناظمہ حبیب، ٹی جی ٹی، اردو، گورنمنٹ گرلس سینئر سیکنڈری اسکول، نور نگر، نئی دہلی

نفیس حسن، ٹی جی ٹی، اردو، گورنمنٹ بوائز مڈل اسکول، اجمیری گیٹ، دہلی

نکہت پروین، پی جی ٹی، اردو، کریسنٹ اسکول، دریا گنج، نئی دہلی

ممبر کوآرڈی نیٹر

محمد نعمان خاں، پروفیسر (ریٹائرڈ)، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن اِن لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

دیوان حنّان خان، پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن اِن لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

© NCERT not to be republished

اظہارِ تشکّر

اس کتاب میں مرزا فرحت اللہ بیگ کا مضمون 'پھول والوں کی سیر' اور کمار گندھرو کا 'بے مثال گلوکارہ-لتا منگیشکر' امتیاز علی تاج کا مزاحیہ مضمون 'چچا چھکّن نے خط لکھا' مرزا غالبؔ کے 'خطوط' رشید احمد صدیقی کا انشائیہ 'دعوت' اور ابن انشاؔ کا 'ذرا فون کر لوں' علی عباس حسینی کا افسانہ 'گاؤں کی لاج' اور اعظم کریوی کا 'بڑے بول کا سر نیچا'، قرۃ العین حیدر کا سفر نامہ 'ستمبر کا چاند' (تلخیص)،حبیب تنویر کا ڈراما، 'آگرہ بازار'، کرشن چندر کا ناول 'ایک گدھے کی سرگذشت'، جگت موہن لال رواںؔ کی رباعیات،چکبستؔ لکھنوی کی نظم 'پھول مالا' ساحرؔ لدھیانوی کی طویل نظم 'پرچھائیاں' اور میرؔ کی مثنوی 'اپنے گھر کا حال' کی تلخیص شامل ہیں۔کونسل ان سبھی شاعروں ،ادیبوں کے وارثین کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں ڈی ٹی پی آپریٹرس ساجد خلیل فلاحی،محمد عارف رضا اور کمپیوٹر اسٹیشن انچارج پرش رام کوشک نے دلچسپی سے حصّہ لیا ہے،کونسل ان کی بھی شکر گزار ہے۔

© NCERT not to be republished

ترتیب

- پیش لفظ iii
- اس کتاب کے بارے میں v

(حصّۂ نثر)

1۔	میگھالیہ	مضمون	(ماخوذ)	02-08
2۔	دعوت	انشائیہ	رشید احمد صدیقی	09-17
3۔	گاؤں کی لاج	افسانہ	علی عبّاس حسینی	18-28
4۔	بے مثال گلوکارہ۔لتا منگیشکر	ترجمہ	کمار گندھرو	29-34
5۔	جاپان (ستمبر کا چاند)	سفر نامہ	قرۃ العین حیدر	35-43
6۔	چچا چھکّن نے خط لکھا	مزاحیہ مضمون	سیّد امتیاز علی تاج	44-51
7۔	ذرا فون کرلوں	انشائیہ	ابنِ انشا	52-59
8۔	خط	مکتوب نگاری	مرزا غالب	60-66
9۔	بڑے بول کا سر نیچا	افسانہ	اعظم کریوی	67-71
10۔	پھول والوں کی سیر	مضمون	مرزا فرحت اللہ بیگ	72-79
11۔	آگرہ بازار	ڈراما	حبیب تنویر	80-99
12۔	ایک گدھے کی سرگذشت	ناول	کرشن چندر	100-122

(حصّۂ نظم)

13۔	رباعیاں		جگت موہن لال رواںؔ	124-129
14۔	پھول مالا	نظم	برج نرائن چکبستؔ	130-136
15۔	پرچھائیاں	طویل نظم	ساحرؔ لدھیانوی	137-147
16۔	اپنے گھر کا حال	مثنوی	میر تقی میرؔ	148-154

© NCERT not to be republished

© NCERT not to be republished

حصّہ نثر

© NCERT not to be republished

مختصر مضمون

اردو میں مختصر مضمون نگاری کا آغاز سرسیّد سے ہوتا ہے۔انھوں نے اس صنف کو سماجی اصلاح کے ایک وسیلے کے طور پر استعمال کیا۔ اس کے بعد مضمون نگاری بھی ایک صنف کی حیثیت سے رائج ہوگئی۔سماجی موضوعات کے علاوہ علمی، ادبی، فلسفیانہ، سائنسی، سوانحی اور دیگر موضوعات پر بھی مضامین لکھے گئے ہیں۔ حالؔی، شبلؔی، محمد حسین آزادؔ، نذیر احمد، میر ناصر علی ، نیاز فتح پوری، رشید احمد صدیقی، مرزا فرحت اللہ بیگ، ابوالکلام آزادؔ، خواجہ غلام السیّدین وغیرہ اردو کے اہم مضمون نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔

مختصر مضمون کی ایک شکل انشائیہ کہلاتی ہے۔ انشائیہ اور مضمون میں کوئی خاص فرق نہیں۔لیکن عام طور پر انشائیہ میں مزاح اور طنز یا خوش مزاجی کا رنگ ہوتا ہے اور انشائیہ نگار اکثر باتیں اپنے حوالے سے یا اکثر اپنے ہی بارے میں بیان کرتا ہے۔

© NCERT not to be republished

5286CH01

میگھالیہ

اونچے نیچے خوبصورت پہاڑی سلسلے، گہری کھائیاں اور اُن کے درمیان راگ الاپتی، آڑی ترچھی بل کھاتی ہوئی ندیاں، اور پہاڑوں کی چوٹیوں سے گرتے ہوئے آبشار سیّاحوں کو دعوتِ نظّارہ دیتے ہیں۔ یہ خوبصورت صوبہ ''میگھالیہ'' کہلاتا ہے جسے 2اپریل 1970 میں آسام کے جنوبی حصّہ گارو، کھاسی اور جنیتیا پربتوں کے علاقوں کو الگ کرکے تشکیل دیا گیا ہے۔اس کے شمال میں صوبۂ آسام اور جنوب مغرب میں بنگلہ دیش ہے۔اس کا کُل رقبہ بائیس ہزار پانچ سو مربّع کلومیٹر ہے۔ اس کی آبادی تقریباً دس لاکھ ہے۔

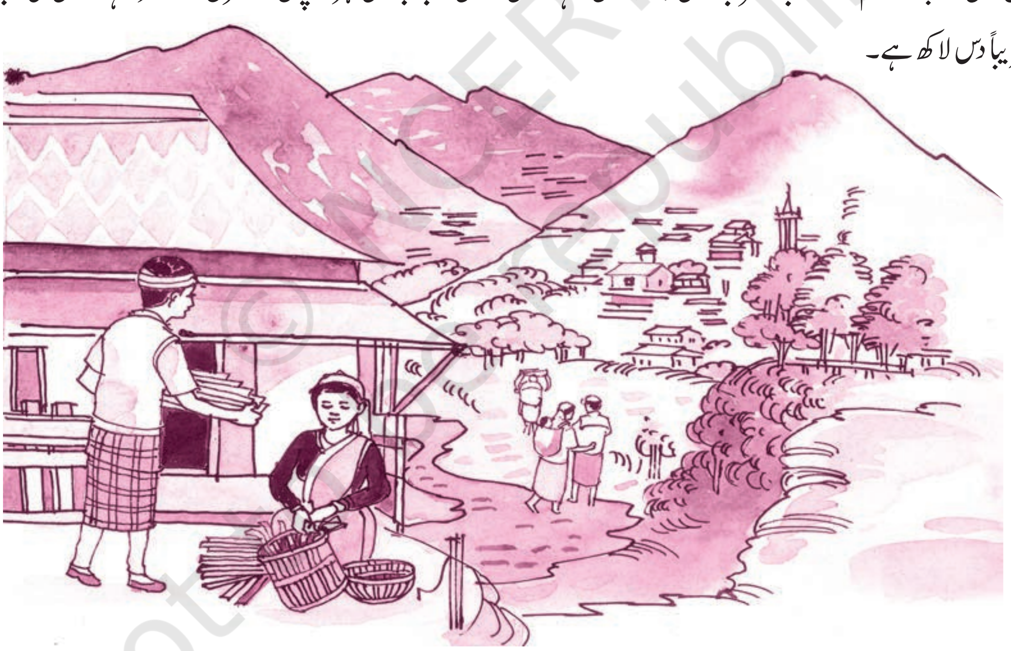

سال بھر یہ صوبہ بادلوں سے ڈھکا رہتا ہے۔اسی لیے اسے میگھالیہ (بادلوں کا گھر) کہتے ہیں۔ یہاں چھوٹے اور نیچے پہاڑی سلسلے دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ زمین پٹھاری اور اونچی نیچی ہے۔ یہاں کا سب سے اونچا پٹھاری علاقہ ''شیلانگ پیک'' کہلاتا ہے۔یہ چھے ہزار پانچ سو فٹ بلند ہے۔ برہم پتر یہاں کی سب سے بڑی ندی ہے اور اُس میں ملنے والی دوسری بیسیوں

ندیاں اس علاقے میں بہتی ہیں۔کہیں کہیں گھاس کے میدان اور سیڑھی نما کھیت نظر آتے ہیں۔

میگھالیہ کی راجدھانی شیلانگ ہے۔شیلانگ یہاں کے ایک دیوتا کا نام ہے۔اُسی کے نام پر اِس شہر کا نام شیلانگ رکھا گیا ہے۔شیلانگ دیوتا کو ناچ اور گانے کا بہت شوق تھا۔یہی وجہ ہے کہ یہاں کے باشندے آج بھی رقص وسرود کے دلدادہ ہیں۔ شیلانگ کو پہاڑوں کی ملکہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ شہر قدیم وجدید تہذیب کا سنگم ہے۔ یہاں بڑی عمارتوں کے ساتھ پھونس کی جھونپڑیاں بھی جابجا نظر آتی ہیں۔انگریزی لباس کے ساتھ آدی باسیوں کی رنگین اور ڈھیلی ڈھالی پوشاکیں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ کرکٹ، پولو اور گولف یہاں کے پسندیدہ کھیل ہیں۔ ہفتہ کے دن یہاں گھوڑوں کی ریس ہوتی ہے۔ یہاں کا ’’بوٹینیکل پارک‘‘ بہت مشہور ہے جس میں دنیا بھر کے تقریباً سبھی قسم کے پودے لگائے گئے ہیں۔اسی کے قریب ’’وارڈ لیک‘‘ نام کی ایک جھیل ہے جو گھوڑے کی نال سے مشابہ ہے۔

یہاں کے آدی باسی کھاسی اور گارو قبیلے کے ہیں۔ یہ لوگ نسلاً منگول ہیں۔گول چہرہ، چپٹا سر، چوڑی پیشانی چہرے کی ہڈیاں اُبھری ہوئیں، چوڑی ناک، آنکھیں چھوٹی اور رنگ پیلا ہوتا ہے۔مردوں کے چہرے پر بال برائے نام ہوتے ہیں۔

آبادی کا زیادہ حصّہ عیسائی مذہب کا پیرو ہے جو اپنے قدیم رسم ورواج اور طور طریقے اپنائے ہوئے ہے۔

یہاں عورت کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ وراثت کی حق دار صرف عورت ہی ہے۔ وہ گھر کی مالکن بھی ہوتی ہے۔ خاندان اُسی کے نام سے چلتا ہے۔مرد اُس کا مددگار یا صلاح کار ہوتا ہے۔عورت کے مرنے کے بعد جائیداد لڑکیوں میں سے سب سے چھوٹی لڑکی کو دی جاتی ہے۔ بازاروں میں بھی خرید وفروخت کا کام عورتیں ہی کرتی ہیں۔ یہ پیٹھ پر اپنے بچّے کو کپڑے سے باندھے ہوئے سر پر بوجھ اٹھائے نظر آئیں گی۔ یہاں ایک کہاوت عام ہے۔’’قوم عورت سے ہی پیدا ہوئی ہے۔‘‘ اسی لیے یہاں عورت کو ہی سب کچھ سمجھا جاتا ہے۔صوبے میں کھاسی اور گارو نام کے دو قبیلے ہی خاص ہیں اور انھیں کے نام سے یہاں جانے جاتے ہیں۔آدی باسیوں کے رسم ورواج میں کچھ فرق بھی ہے۔شادی کے بعد شوہر کو بیوی کے گھر رہنا پڑتا ہے اور دو تین بچّوں کے بعد ہی وہ اپنا مکان بنا سکتا ہے۔

ایک قبیلے میں یہ دستور ہے کہ شادی سے پہلے تمام لڑکے ’’نوک پانتھے‘‘ نام کے ایک بڑے مکان میں رہتے ہیں۔شادی کے لیے رسم یہ ہے کہ شادی کے خواہش مند کئی لڑکے،لڑکی کے یہاں جمع ہوکر اپنی اپنی بہادری کے کارنامے بیان کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک لڑکی کسی لڑکے کا انتخاب نہیں کرلیتی۔اُسی کے بعد لڑکے اور لڑکی کو انگوٹھی پہنا دی جاتی ہے۔پھر پوجا اور منتروں کے پڑھنے کے بعد شادی کردی جاتی ہے۔

© NCERT not to be republished

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ لڑکے کا پیغام لڑکی کے گھر والوں کو دیا جاتا ہے۔ پھر اچھّے شگون کے بعد لڑکے کا ہاتھ لڑکی کا ماموں پکڑ کر پجاری کے سامنے کر دیتا ہے اور تین مچھلیوں کے فرش پر شراب ڈالی جاتی ہے پھر شادی کر دی جاتی ہے۔

یہاں زیادہ بارش ہونے کے سبب گھنے جنگل ہیں۔ یہاں کے لوگ شکار کے بھی شوقین ہیں۔ شکاری کُتّوں کو ساتھ لے کر شکار کھیلتے ہیں۔ شکار میں تیر کمان یا پھندے کا استعمال کرتے ہیں۔ایک درخت کی چھال کے رس کو ندی میں ڈال کر مچھلیوں کا شکار کیا جاتا ہے۔ اس سے مچھلیاں مرکر اوپر آجاتی ہیں۔

یہاں نشانے بازی کے مقابلے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ ایک گاؤں کے نشانہ باز دوسرے گاؤں کے نشانہ بازوں سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اس کے لیے ایک جج اور کچھ پنچ مقرر کیے جاتے ہیں جن کا فیصلہ سب کے لیے قابل قبول ہوتا ہے۔ شور وغل کے ساتھ نشانہ بازی شروع ہوتی ہے۔جس پارٹی کے نشانے زیادہ صحیح ہوتے ہیں وہ فتح مند سمجھی جاتی ہے۔

صوبے میں عام طور پر چاول، گوشت، مچھلی، آلو اور صابو دانے کے درخت کے گودے کا آٹا کھایا جاتا ہے۔غیر عیسائی کھاسی باشندے دودھ اور اس سے بنی ہوئی چیزیں نہیں کھاتے۔ پورے صوبے میں چھالیا بہت شوق سے کھائی جاتی ہے۔

دنیا کا سب سے زیادہ بارش والا علاقہ چیراپونجی اسی صوبے میں ہے۔ یہاں آب و ہوا مرطوب ہونے کی وجہ سے پیچش، ملیریا اور ہیضے کی وبائیں عام ہیں۔

کھاسی کے ہر گاؤں میں پنچایت ہوتی ہے جو آپس کے جھگڑے چُکاتی ہے۔ پنچ اور گواہوں کے بیان پر فیصلہ دے دیا جاتا ہے۔

گارو قبیلے کو'' آچِک'' بھی کہتے ہیں یہاں کے لوگ اپنے مکانوں میں کھڑکیاں نہیں بناتے۔ کھڑکی بنانے پر جُرمانہ دینا پڑتا ہے۔ اس علاقے میں کپاس کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے اس لیے یہ لوگ اپنے کپڑے خود ہی بُنتے اور رنگتے ہیں۔ دو گاؤں کے درمیان ایک سرائے ہوتی ہے۔ جسے'' آلدا'' کہتے ہیں۔ یہاں مسافروں کو ہر قسم کی سہولت مفت فراہم کی جاتی ہے۔

اس صوبے میں عام طور پر سیڑھی نُما کھیت بنا کر کھیتی کی جاتی ہے۔ زمین کسی کی ملکیت نہیں ہوتی۔ یہاں کی فصلوں میں چاول، مکّا، جوار، آلو، اروی، سنترے، کیلے، لیچی، لیمو اور تربوز وغیرہ کی پیداوار عام ہے۔ اس کے علاوہ چھالیا اور پان کے باغیچے بھی لگائے جاتے ہیں۔

صوبے میں کھاسیوں کے اسمارک، استھی چھتریاں، قلعوں کے کھنڈرات، پتھّروں کے مجسّمے قابل دید ہیں۔ یہاں بے شمار ندیاں اور آبشار ہیں جو صوبے کی خوبصورتی کو دوبالا کیے ہوئے ہیں۔'' ایگل سوئیٹ''،'' ایلی فینٹ'' اور'' موسمائی'' آبشار مشہور ہیں۔

© NCERT not to be republished

یہاں کھاسی، گارو اور آسامی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ علاقائی زبانیں بھی ہیں۔ رسالے اور روزنامے بھی شائع ہوتے ہیں۔ یہاں کی دو تہائی آبادی تعلیم یافتہ ہے۔

حکومت ہند نے اس صوبے کی ترقی اور یہاں کے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے اسکول، کالج اور اسپتال وغیرہ کھولے ہیں تاکہ یہ صوبہ بھی دیگر صوبوں کی طرح مزید ترقی کر سکے۔

© NCERT not to be republished

مشق

لفظ و معنی

آبشار	:	جھرنا
دعوتِ نظارہ	:	دیکھنے کی دعوت
فتح مند	:	جیتا ہوا
مرطوب	:	گیلا، نم
ملکیت	:	جائداد
قابلِ دید	:	دیکھنے کے لائق
قبیلہ	:	گروہ
دل دادہ	:	شوقین
نفوس	:	نفس کی جمع، روحیں، ہستیاں، یہاں نفوس سے مراد لوگوں سے ہے۔
سرود	:	نغمہ، گیت، راگ
وسطی	:	درمیانی
دفاتر	:	دفتر کی جمع، آفس

پیرو	:	ماننے والا
فلاح و بہبود	:	بھلائی، بہتری

سوالات

1۔ میگھالیہ صوبہ کس طرح تشکیل دیا گیا؟
2۔ میگھالیہ کو خوب صورت صوبہ کیوں کہا گیا ہے؟
3۔ اس صوبہ کا نام میگھالیہ کیوں رکھا گیا؟
4۔ میگھالیہ کی راجدھانی کا نام ''شیلانگ'' کس مناسبت سے ہے؟
5۔ میگھالیہ میں کون کون سے قبیلے آباد ہیں؟
6۔ میگھالیہ کے خاص رسم و رواج کون کون سے ہیں؟

زبان وقواعد

☆ ان لفظوں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

قدیم وجدید   رسم ورواج   شور وغل   خرید وفروخت   فلاح و بہبود

☆ نیچے لکھے ہوئے جملوں کو صحیح لفظ سے پورا کیجیے:

- شیلانگ کو پہاڑوں کی ....کہا جاتا ہے۔(ملکہ،ندی،رانی)
- دنیا کا سب سے زیادہ بارش والا علاقہ .... ہے۔(شیلانگ، چیراپونجی، آسام)
- ایک قبیلے کا یہ دستور ہے کہ شادی سے پہلے تمام لڑکے.............نام کے مکان میں رہتے ہیں۔(اینٹ، سرحد، نوک پانتھے)
- یہاں کے آدمی باسی کھاسی اور گارو قبیلے کے ہیں۔ یہ لوگ نسلاً منگول ہیں۔گول چہرہ، چپٹا سر، چوڑی پیشانی، چوڑی ناک، آنکھیں چھوٹی اور رنگ پیلا ہوتا ہے۔

اوپر دی ہوئی عبارت میں سے اسم اور صفت کی نشان دہی کیجیے۔

© NCERT not to be republished

غور کرنے کی بات

- غور کیجیے کہ میگھالیہ کی تہذیب ملک کے دوسرے صوبوں کی تہذیب سے کس حد تک مختلف ہے۔

یہ سبق ہندوستان کے ایک صوبے میگھالیہ کی مخصوص تہذیب کے بارے میں ہے۔ کسی خطّے یا دنیا کے کسی ملک یا ایک ہی ملک کے کئی حصّوں میں رہنے والے لوگوں کی طرز زندگی یعنی ان کی زبان، ان کا رہن سہن، پہناوے اور رسم و رواج کا نام تہذیب ہے۔ جیسے میگھالیہ ایک صوبہ ہے اور اس صوبے میں کون سی زبان بولی جاتی ہے اور زندگی کے دوسرے کام کس طرح انجام دیے جاتے ہیں۔ اس سبق میں ان جملہ باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے یعنی میگھالیہ کی تہذیب کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

عملی کام

☆ صوبۂ میگھالیہ کی امتیازی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے اپنے دوست کے نام ایک خط لکھیے۔

© NCERT not to be republished

انشائیہ

لفظ انشا اردو میں کئی طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ انشائیہ بھی اسی لفظ سے بنا ہے۔

ابتدا میں مضمون نگاری اور انشائیہ نگاری میں زیادہ فرق نہیں تھا مگر رفتہ رفتہ ان میں فرق پیدا ہوتا گیا، یہاں تک کہ انشائیہ ایک علاحدہ صنف قرار پائی۔ انشائیہ نگار اپنے مخصوص ذاتی مشاہدات اور تاثرات کو بے باکی اور بے تکلفی سے بیان کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انشائیہ میں سنجیدہ اور غیر سنجیدہ موضوعات سے متعلق خیال کے تمام مرحلے خوش طبعی کے ساتھ طے کیے جاتے ہیں۔ یہ بات میں بات پیدا کرنے کا فن ہے۔ انشائیہ نگار مفہوم سے خالی گفتگو میں بھی معنی پیدا کر دیتا ہے لیکن کبھی کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ اختصار اس کی پہچان ہے۔ اس میں مزاح یا ٹھٹھول کی جگہ ہلکی پھلکی زیرِ لب ہنسی پنہاں ہوتی ہے۔ خیال آفرینی اس کی ایک اہم خوبی ہے۔

اردو میں انشائیے کی ابتدا سر سید احمد خاں کے رسالے ''تہذیب الاخلاق'' سے ہوتی ہے۔ مولوی نذیر احمد اور ذکاء اللہ کے بعد ''اودھ پنچ'' اور ''مخزن'' نے اسے فروغ دیا۔ میر ناصر علی، سجاد حیدر یلدرم، سلطان حیدر جوش، سجاد انصاری، نیاز فتح پوری، مہدی افادی، فرحت اللہ بیگ، قاضی عبدالغفار، پطرس بخاری، سید محفوظ علی بدایونی، خواجہ حسن نظامی، رشید احمد صدیقی اور مشتاق احمد یوسفی نے اس صنف کو مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

رشید احمد صدیقی

(1896 – 1977)

رشید احمد صدیقی اردو کے ممتاز طنز و مزاح نگار ہیں۔اُن کی پیدائش مشرقی اُتّر پردیش کے شہر جونپور میں ہوئی تھی جسے شیرازِ ہند بھی کہا جاتا ہے۔انھوں نے اپنی زندگی علی گڑھ میں گزاری۔وہاں وہ شعبۂ اردو کے صدر رہے۔اپنے زمانے کے سب سے نامور انشا پردازوں میں ان کا شمار کیا جاتا تھا۔ان کے مزاح میں تفکّر،شائستگی اور خوش طبعی کے عناصر نمایاں ہیں۔

رشید صاحب کے خطبات، مضامین اور خاکوں پر مشتمل کئی کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔جن میں سے چند یہ ہیں: ''طنزیات و مضحکات''، ''آشفتہ بیانی میری''، ''گنج ہائے گراں مایہ''، ''مضامین رشید'' اور'' خنداں''۔

رشید صاحب کی تحریروں کا ایک خاص تہذیبی پس منظر ہوتا ہے۔مسلم متوسط طبقے کی معاشرتی زندگی کے بہت دل آویز مرقّعے ہمیں ان کی تحریروں میں ملتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

5286CH02

دعوت

ایک مثل مشہور ہے، ''مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ۔'' میرا خیال ہے کہ اس کے ساتھ یہ مثل بھی عام ہونی چاہیے، ''مجھے دعوتوں سے بچاؤ۔'' گو دوستوں سے بچنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ دعوتوں سے بھی نجات مل جائے گی۔ بھوک کی مانند دعوت کا بھی یہ حال ہے کہ اس کا نہ کوئی وقت مُقرّر ہے اور نہ موقع۔ کوئی تہوار ہو، تقریب ہو، کوئی مہمان آیا ہو، کوئی چل بسا ہو، رقعۂ دعوت بہر حال موجود ہے۔ دعوت میں نہ جایئے تو غرور یا بے توجہی کی شکایت۔ جایئے تو معدہ اور عاقبت دونوں خراب۔ میں نے جس جس قسم کی اور جن جن مواقع پر دعوت کھائی ہے وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہوگی۔ سب سے پہلی دعوت خوب یاد ہے۔

پہلی دعوت مجھے ایسے صاحب کے ہاں کھانی پڑی جو کپڑے بُنتے تھے اور غازی میاں کے معتقد تھے۔ ساری بستی مدعو تھی۔ مئی کا مہینہ اور دوپہر کا وقت۔ مکان و میدان کا کوئی نشیب و فراز ایسا نہ تھا جہاں کھانے والے نہ بیٹھے ہوں۔ فرش و دسترخوان کا وہاں کوئی دستور نہ تھا۔ جس کو جہاں جگہ مل گئی بیٹھ رہا۔ ایک نیم کی جڑ پر میں بھی بیٹھ رہا۔ ایک ہاتھ میں گرم گرم تنوری روٹی دے دی گئی۔ مٹی کے ایک برتن میں زمین پر سالن رکھ دیا گیا۔ بھِشتی نے مشک سے تام چینی کے گندے شکستہ گلاس میں پانی پلانا شروع

کیا۔ سامنے ایک نیاز مند کتّے صاحب بھی موجود تھے۔ دُم ٹانگوں کے درمیان، خود دوزانو بیٹھے ہوئے۔ نظریں نیچی، بہت کچھ بھوکی۔ پاس ہی ایک بوڑھے کھانستے جاتے تھے کھاتے جاتے تھے اور خلال کرتے جاتے تھے۔ ناتی گود میں، پوتا کندھے پر۔ پوتے نے ایک ہڈّی کتّے کے سامنے پھینک دی۔ اب معلوم ہوا کہ ایک اور کتّے صاحب کہیں قریب ہی مراقبے میں بیٹھے ہوئے تھے، جنھوں نے یک لخت غرّا کر جو جست کی تو میرے مقابل کے کتّے پر آ گرے۔ خلال دادا یا نانا کے گلے میں جا پھنسا اور پوتے ناتی میرے سالن میں آ رہے۔ ایک ہُلّڑ مچا۔ مشہور ہوا کہ مہتو دادا پر غازی میاں آ گئے۔ سارے کھانے والے بھاگ کھڑے ہوئے۔

ایک اور جگہ سے دعوت نامہ آیا۔ ہمارے میزبان وہاں کے معزّز اور دولت مند ترین لوگوں میں سے تھے۔ میزبانی کے فرائض خاتون خانہ ادا کر رہی تھیں۔ ڈرائنگ روم میں پہنچے تو دن کو تارے نظر آنے لگے۔ ایسی خوب صورت قیمتی پر تکلّف اور نایاب چیزیں ایک ساتھ کب دیکھنی نصیب ہوئی تھیں۔ البتّہ ان کا تذکرہ میلاد میں سنا تھا یا طلسم ہوش ربا میں پڑھا تھا۔ مالک مکان سے زیادہ پُر شوکت نوکر نوکرانیاں تھیں۔ کس کی تعظیم کیجیے اور کس سے تعظیم لیجیے۔ کھانے کے کمرے میں داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ شاید دنیا کے سب سے بڑے آدمی کا سب سے بڑے شفا خانے میں آپریشن ہونے والا ہے۔ ہر طرف سوائے صفائی اور سامانِ جراحی کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اول تو کھانے کا گانگ بجا تو ہم نے سمجھا، ہماری روح قبض کرنے کا کوئی آلہ ایجاد ہوا ہے۔ کھانا آیا اور آتا رہا۔ سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ کھانا ایسے ایسے یونیفارم یا لباس فاخرہ یا ملبوساتِ عروسی میں لایا جاتا کہ یہ طے کرنے میں دشواری ہوتی کہ ان پر حملہ کیا جائے یا ان کی عبادت کی جائے یا کھڑے ہو کر قومی ترانہ گایا جائے۔ دوسری مصیبت یہ تھی کہ کس آلے سے کس چیز پر حملہ کیا جائے۔ جان لینے کے لیے آپ آزاد ہیں جو آلہ چاہیے شوق سے استعمال کیجیے لیکن کھانوں کے لیے مخصوص آلات مقرّر ہیں۔ تیسری مصیبت یہ تھی کہ جو کھانا پیش کیا جا رہا تھا اس کے دوسرے عزیز و اقارب نہ معلوم کون کون اور تھے جن کی عدم موجودگی میں کھانے کو ہاتھ لگانا بڑا گنوار پن ہوتا۔

فرض کیجیے کسی رئیس کے ہاں دعوت ہوئی۔ وہ کھانا اس طور پر کھلائے گا گویا مہمان کی سات پشت تک کو نواز رہا ہے۔ قورمہ ہر دعوت میں ملتا ہے اور معمولی سے معمولی لوگ بھی اپنے گھروں میں کھاتے ہیں لیکن رئیس کے یہاں قورمہ کچھ اور ہوتا ہے۔ ادائے خاص سے فرمائیں گے، ''مولانا کہیے، قورمے سے بھی شوق فرمایا؟''

''جی ہاں، شکریہ، ماشاءاللہ!''

فرمائیں، ''صاحب ایسا حلوائی دہلی بھر میں نہ ملے گا۔ بادام پر پلا تھا۔ ذرا بوٹی کی خستگی پر نظر رکھیے۔''

''سبحان اللہ! کیوں نہیں!'' ارشاد ہوتا ہے۔

''ہاں ہاں خوب کھائیے۔ بہت ہے۔''

''جی ہاں، خوب سیر ہوکر کھایا۔''

''نہیں نہیں آپ تکلّف کرتے ہیں۔ فلانے چلو۔ مولانا کو قورمہ اور دو۔''

لیکن فلانے کو پکاریں گے اور قورمہ کا آرڈر اس طور پر دیں گے گویا مولانا کو پٹوا دینے کا ارادہ ہے۔ قورمہ پلیٹ میں ڈال دیا گیا اور مولانا کو قورمے سے نفرت ہونے لگی۔ ارشاد ہوگا، ''مولانا یہ باورچی اب دہلی میں اکیلا ہے۔ اب اس کا ثانی دور دور نہ ملے گا۔ بس مولانا قورمہ کھا لیجیے۔ یہ چیز اب معدوم ہوتی جاتی ہے۔'' غرض مولانا کو اس شفقت اور تپاک سے کھلائیں گے گویا اپنے والد مرحوم کے فاتحہ کا کھانا کسی نابینا حافظ کو کھلا رہے ہیں۔

دوسری آفت ملاحظہ ہو۔ بعض میزبان حماقت اور محبت کے سلسلے میں اصرار کرتے کرتے کھانا آپ کی پلیٹ میں ڈال دیں گے اور فرمائش کریں گے، ''کھائیے، میرے سر کی قسم کھائیے۔'' حالاں کہ اس وقت جی یہی چاہتا ہے پلیٹ سر پر مار لیجیے اور گریبان پھاڑ کر کہیں بھاگ جائیے۔ ایسی دعوت سے مجھ کو قلبی نفرت ہے جہاں میزبان بار بار کھانے کے لیے اصرار کرے اور اپنے ہاتھ سے میری پلیٹ میں کھانا رکھ دے اور کہتا یہ رہے کہ ''آپ کو کھانا پسند نہیں آیا۔ آپ کے لیے کچھ انتظام نہ ہوسکا۔ بھائی جلدی میں یہی دال دلیا ہوسکا۔ آپ نے کچھ بھی تو نہیں کھایا۔'' حالاں کہ اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ میں یہ کہوں کہ ایسا کھانا مجھے تو کیا میری سات پشت کو نصیب نہ ہوا ہوگا اور آپ نے جس مروّت اور ایثار کا ثبوت دیا ہے اس کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔

بعض دعوتوں میں عجیب قسم کے بدتمیزوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ بعض تو کھانا نہیں کھاتے، منہ میں جوتیاں چٹخاتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو ساری اُنگلیاں سالن میں ڈبو دیں گے۔ منہ میں لقمے کی پذیرائی اس طور پر کریں گے جیسے کہ سرکس کے گھوڑے کو چابک لگا رہے ہیں۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو بدحواس ہوکر بہت زیادہ حصّہ پلیٹ میں لے لیں گے۔ تھوڑا کھائیں گے اور بقیہ کو گھنگول کر چھوڑ دیں گے۔ ڈونگے میں سے بوٹیاں چمچے سے نکالنے کے بجائے ٹٹول ٹٹول کر اُنگلیوں سے نکالیں گے۔ کبھی پلیٹ میں نکالی ہوئی بوٹیوں کو پھر ڈونگے میں ڈال دیں گے۔ پانی پئیں گے تو معلوم ہوگا گویا بھری بوتل حلق میں اُنڈیلی جا رہی ہے اور گلے سے قُلقُلِ مینا کا کام لے رہے ہیں۔ سَنی ہوئی اُنگلیاں روٹی سے پونچھیں گے اور ڈکار اس طور پر لیں گے جیسے دوسرے کے دسترخوان پر نہیں اپنی چارپائی پر ہیں۔

(رشید احمد صدیقی)

© NCERT not to be republished

مشق

لفظ و معنی

مثل	:	کہاوت
رقعۂ دعوت	:	دعوت نامہ
معتقد	:	اعتقاد رکھنے والا، ماننے والا
مدعو	:	جسے دعوت دی گئی
نشیب و فراز	:	اتار چڑھاؤ، اونچ نیچ
بھشتی	:	پانی پلانے والا، سقّہ
شکستہ	:	ٹوٹا پھوٹا، خراب حالت
نیازمند	:	ارادت مند
دوزانو بیٹھنا	:	دونوں گھٹنے پیچھے کی طرف موڑ کر بیٹھنا
خِلال کرنا	:	تنکے یا تیلی سے کھانے کے بعد دانت کریدنا/ صاف کرنا
مراقبہ	:	دھیان
یک لخت	:	یکا یک، ایک بارگی
طلسم ہوش رُبا	:	اردو کی سب سے مشہور داستان
پُرشوکت	:	شاندار
تعظیم	:	عزّت
شفاخانہ	:	اسپتال
جرّاحی	:	آپریشن، چیر پھاڑ
گانگ	:	کھانے سے پہلے برائے اطلاع بجنے والا گھنٹہ

© NCERT not to be republished

لباس فاخرہ	:	خاص خاص موقعوں پر پہنے جانے والا قیمتی لباس
ملبوساتِ عروسی	:	دلہن کے لباس
قورمہ	:	بھنے ہوئے گوشت کا سالن
معدوم ہونا	:	ختم ہونا، غائب ہونا
ملاحظہ کرنا	:	غور کرنا، دھیان دینا
منہ میں جوتیاں چٹخانا	:	منہ سے چپڑ چپڑ کی آواز نکالنا
تپاک سے	:	محبت وخلوص کے ساتھ
پذیرائی کرنا	:	استقبال کرنا
گھنگولنا	:	کسی چیز میں ہاتھ ڈال کر ہلانا، گھولنا
عاقبت خراب ہونا	:	برا انجام ہونا
مَشک	:	پانی بھرنے کا چمڑے کا تھیلا
تام چینی	:	چینی مٹّی چڑھا ہوا تانبا یا لوہا

سوالات

1۔ دعوت میں جانے اور نہ جانے دونوں سے متعلق مصنّف نے کیا خیال ظاہر کیا ہے؟

2۔ مصنف نے پہلی دعوت کا کیا نقشہ کھینچا ہے؟

3۔ مصنف نے ایک معزّز اور دولت مند ترین صاحب کی دعوت سے متعلق کن خیالات کا اظہار کیا ہے؟

4۔ ''قورمہ'' سے متعلق مصنف نے کیا مزاح پیدا کیا ہے؟

5۔ مصنف نے دعوت میں بدتمیزی کے ساتھ کھانا کھانے کی کیا تصویر پیش کی ہے؟

© NCERT not to be republished

زبان وقواعد

☆ مندرجہ ذیل جملوں کی وضاحت کیجیے:

- کوئی تہوار ہو، تقریب ہو، کوئی مہمان آیا ہو، کوئی چل بسا ہو، رقعۂ دعوت بہر حال موجود ہے۔ دعوت میں نہ جایئے تو غرور یا بے توجہی کی شکایت، جایئے تو معدہ اور عاقبت دونوں خراب۔
- ڈرائنگ روم میں پہنچے تو دن کو تارے نظر آنے لگے۔ ایسی خوب صورت قیمتی، پُرتکلف اور نایاب چیزیں ایک ساتھ دیکھنی کب نصیب ہوتی ہیں۔ البتہ ان کا تذکرہ میلاد میں سنا تھا یا طلسمِ ہوش رُبا میں پڑھا تھا۔ مالک مکان سے زیادہ پُر شوکت نوکر نوکرانیاں تھیں۔ کس کی تعظیم کیجیے اور کس کی تعظیم لیجیے۔

غور کرنے کی بات

- رشید صاحب کی تحریروں میں ہماری معاشرتی زندگی کی پرچھائیاں جگ مگ کرتی نظر آتی ہیں۔
- نیچے لکھے ہوئے جملوں کو غور سے پڑھیے ان میں رشید صاحب کے طنز و مزاح کا خاص رنگ محسوس کیا جا سکتا ہے:
- سامنے ایک نیازمند کُتّے صاحب موجود تھے۔
- ایک اور کُتّے صاحب کہیں قریب ہی مراقبے میں بیٹھے ہوئے تھے۔
- غرض مولانا کو اس شفقت اور تپاک سے کھلائیں گے گویا اپنے والدِ مرحوم کے فاتحہ کا کھانا کسی نابینا حافظ کو کھلا رہے ہیں۔
- بعض تو کھانا نہیں کھاتے، منہ میں جوتیاں چٹخاتے ہیں۔

عملی کام

☆ نیچے لکھی ہوئی عبارت کو پڑھیے اور اس سے متعلق سوالات کے جواب لکھیے:

کسے خبر تھی کہ غالب مرحوم کے بعد ہندوستان میں پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جو اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا، جس کی بدولت غالب کا بے نظیر تخیّل اور نرالا اندازِ بیان پھر وجود میں آئے گا اور اردو ادب کے فروغ

کا باعث ہوگا۔ مگر زبان اردو کی خوش اقبالی دیکھیے کہ اس زمانے میں اقبال جیسا شاعر اسے نصیب ہوا، جس کے کلام کا سکّہ ہندوستان بھر کی اردو داں دُنیا کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور جس کی شہرت روم، ایران بلکہ فرنگستان تک پہنچ گئی ہے۔

ابتدائی عمر میں مولوی سید میر حسن سا استاد ملا۔ طبیعت میں علم وادب سے مناسبت قدرتی طور سے موجود تھی اور عربی کی تحصیل مولوی صاحب موصوف سے کی۔ سونے پر سہاگا ہو گیا۔ ابھی اسکول ہی میں پڑھتے تھے کہ کلام موزوں زبان سے نکلنے لگا۔ شعرائے اردو میں ان دنوں نواب مرزا خاں داغ دہلوی کا بہت شہرہ تھا۔ اقبال نے بھی انھیں خط لکھا اور چند غزلیں اصلاح کے لیے بھیجیں۔ داغ نے جلد کہہ دیا کہ کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے۔ بی اے کے لیے لاہور کے اساتذہ میں ایک نہایت شفیق استاد ملا۔ پروفیسر آرنلڈ صاحب غیر معمولی قابلیت کے انسان تھے۔

اقبال طالب علمی سے فارغ ہو کر گورنمنٹ کالج میں پروفیسر ہو گئے تھے۔ طبیعت زوروں پر تھی۔ شعر کہنے کی طرف جس وقت مائل ہوتے تو غضب کی آمد ہوتی تھی۔ موزوں الفاظ کا ایک دریا بہتا، چشمہ ابلتا معلوم ہوتا تھا۔ ایک خاص کیفیت رقّت کی ان پر طاری رہتی تھی۔ اپنے اشعار سریلی آواز میں ترنم سے پڑھتے تھے۔ خود وجد کرتے اور دوسروں کو وجد میں لاتے تھے۔

(i) اس عبارت میں اقبال کے تعلق سے غالبؔ کا ذکر کیوں کیا گیا ہے؟

(ii) اقبال نے کن اساتذہ سے بطورِ خاص استفادہ کیا؟

(iii) اقبال کی شعر گوئی کی کیا خصوصیات بیان کی گئی ہیں؟

(iv) ''خود وجد کرتے اور دوسروں کو وجد میں لاتے'' اس کا کیا مطلب ہے؟

© NCERT not to be republished

افسانہ

افسانہ اردو ادب کی ایک مشہور صنف ہے۔ تیزی سے بدلتے ہوئے زمانے کا ساتھ دینے اور دماغی طور پر مصروف رہنے والوں کے لیے 'مختصر افسانہ' ناول اور داستان سے زیادہ کشش رکھتا ہے۔ مختلف نقادوں نے افسانے کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ ایک نقاد نے کہا ہے کہ افسانہ ایسی نثری کہانی ہے جو ایک ہی نشست میں پڑھی جا سکے۔ ایک اور نقاد کا کہنا ہے کہ افسانے میں بنیادی چیز وحدتِ تاثّر ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ افسانے کے فن میں بھی تبدیلی آئی ہے۔

ایک اچھا افسانہ اختصار کے ساتھ زندگی کے کسی گوشے کو قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔ مختصر ہونے کی وجہ سے افسانے میں جھول ہونے کے امکانات بھی کم ہوتے ہیں۔ افسانہ نگار کا مشاہدہ اور انسانی نفسیات کا مطالعہ گہرا ہونا چاہیے۔ کردار ایسے ہوں جو ہماری زندگی اور ہمارے تجربوں سے مطابقت رکھتے ہوں۔

اردو کے افسانہ نگاروں میں پریم چند، علی عباس حسینی، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، غلام عباس، قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین بہت اہم ہیں۔ ان کے بعد نئے افسانہ نگاروں کی ایک بڑی تعداد بھی سامنے آچکی ہے۔

© NCERT not to be republished

علی عبّاس حسینی

(1897–1969)

علی عبّاس حسینی موضع بارہ، غازی پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پٹنہ میں ہوئی۔ الہ آباد سے بی۔اے اور لکھنؤ سے ایم۔اے کے امتحانات پاس کرنے کے بعد ایل ٹی کی سند حاصل کی اور سرکاری اسکول میں اردو اور فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔

علی عباس حسینی کو لڑکپن سے افسانہ نگاری کا شوق تھا۔ ابتدا میں انھوں نے پریم چند سے متاثّر ہو کر افسانے لکھے۔ اُن کے افسانوں میں گاؤں کے معصوم اور سادہ لوح افراد کی خوب صورت عکّاسی ملتی ہے۔ ان افسانوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ علی عباس حسینی کو انسانی نفسیات پر عبور حاصل تھا۔ وہ ہر کردار کے ذہن کی تہوں کو آہستہ آہستہ کھولتے ہیں جس سے اس کی مکمل شخصیت بے نقاب ہو جاتی ہے۔ ان کے افسانوں میں واقعات کی طوالت تو ہے مگر پلاٹ میں جھول پیدا نہیں ہوتا۔

علی عباس حسینی کے افسانوں کی بڑی خوبی ان کی سہل زبان ہے۔ وہ عربی، فارسی کے الفاظ سے گریز کرتے ہیں۔

''آئی۔سی۔ایس''، ''باسی پھول''، ''میلہ گھومنی''، ''کچھ ہنسی نہیں ہے'' ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔ ''اردو ناول کی تاریخ اور تنقید'' علی عبّاس حسینی کی تنقیدی کتاب ہے جس میں انگریزی اور اردو کے معروف ناول نگاروں کی مختصر تاریخ کے ساتھ ساتھ ان کے فن کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

© NCERT not to be republished

5286CH03

گاؤں کی لاج

لکھن پور میں دو زمین دار رہتے تھے۔ ایک کا نام امراؤ سنگھ اور دوسرے کا دلدار خان تھا۔ دونوں بدیسی راج کے خطاب یافتہ تھے۔ امراؤ سنگھ کو انگریزوں نے رائے صاحب بنا کر اور دلدار خاں کو خان صاحبی دے کر ممتاز کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک میان میں دو تلوار اور ایک مملکت میں دو سلطان نہیں رہتے لیکن لکھن پور میں رائے صاحب اور خان صاحب دونوں رہتے تھے۔ دونوں خاندانی رئیس تھے۔ دونوں کے مزاج میں گھمنڈ اور غرور تھا دونوں کو اسی کی کد رہتی کہ میری بات اور میری مونچھ اونچی رہے۔

لکھن پور کا بٹوارا ہوگیا تھا۔ بازار، آبادی، کھیت، باغ، رائے صاحب اور خان صاحب کے نام سرکاری کاغذوں میں الگ الگ لکھے تھے۔ مگر ہر برسات میں کسی نہ کسی کھیت کی مینڈھ بڑھنے گھٹنے پر دونوں میں فوج داری ضروری تھی۔ اِن دونوں کا نہ اپنا سر پھوٹتا اور نہ ان کی ہڈیاں ٹوٹتی تھیں۔ گماشتے، کارندے، رعایا پرجا آخر کس دن کام آتے۔ انھیں حقِ نمک تو ادا کرنا ہی تھا۔ اس لیے ان کی آویزش کے لیے معمولی بہانے بھی کافی تھے۔

ان کی آپس کی رنجش اس لیے اور بھی بڑھ گئی تھی کہ ایک گڑھیّا پر بڑا سخت جھگڑا ہوگیا تھا۔ پچھلی برسات میں مہتو گڑھیّا خوب بڑھی تھی۔ اس نے رائے صاحب کے کھیتوں کی تقریباً نصف بیگھا زمین اپنے پیٹ میں رکھ لی تھی۔ گڑھیّا لکھی تھی خان صاحب کے حصّے میں اور وہی سالہا سال سے اُس کی ساری آمدنی حاصل کرتے تھے۔ اس کی مچھلیاں پکڑی جاتیں تو اُنھیں کے لیے، اس میں سنگھاڑے ڈالے جاتے تو انھیں کی اجازت سے اور اس سے آبپاشی کے لیے پانی لیا جاتا تو انھیں کے حکم سے۔

اب رائے صاحب کے کھیت گڑھیّا میں بہہ کر مل گئے تو وہ بھی آمدنی میں حصہ بٹانے کے خواہش مند ہوئے۔ خان صاحب نے کہا ”سبحان اللہ! یہ تو اللہ کی دین ہے۔ گڑھیّا میری ہے۔ وہ جتنی بڑھے جدھر بڑھے میری ہی رہے گی۔ کہہ دو کسی اور گڑھیّا میں منہ دھو رکھیں۔ حصّہ بخرا کیسا؟“ جب وہ زیادہ غرّائے تو یہ فوج داری کے لیے آمادہ ہوگئے۔ مقدمہ دائر کردیا۔ کاغذات کی چھان بین ہوئی۔ کھیت رائے صاحب کے بے شبہ نکلے مگر گڑھیا خان صاحب کی مقبوضہ ثابت ہوئی اور اسی قبضے کی بنا پر بورڈ تک سے رائے صاحب ہارے اور خان صاحب جیتے۔ اس جیت پر جس طرح خان صاحب کے ہاں چراغاں کیا گیا اسی طرح رائے صاحب کے ہاں رنج کیا گیا اور سوگ منایا گیا۔ لگانے بجھانے والوں نے اس آگ کو خوب بھڑکایا۔ رائے صاحب کو

© NCERT not to be republished

یہ فکر دامن گیر رہنے لگی کہ کون سا موقع ہاتھ آئے کہ میں خان صاحب کو زک دے دوں کہ انھیں چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ اتنا ذلیل ہوں کہ مونچھوں پر تاؤ دینا ہی بھول جائیں بلکہ ساری ہیکڑی خاک میں مل جائے۔

اتفاق سے خان صاحب کی چھوٹی بیٹی کی بارات آئی۔ پرانے دستور کے مطابق خان صاحب نے گھر گھر نیوتا بھیجا، نہیں پوچھا تو ایک رائے صاحب کو۔ بارات بڑی شان سے آئی۔ ہاتھی بھی تھے، گھوڑے بھی تھے، روشنی بھی تھی، آتش بازی بھی تھی، بینڈ بھی تھے، باراتیوں میں بڑے بڑے مشہور بیرسٹر، وکیل، مختار، ایک ڈپٹی کلکٹر، دو تحصیل دار، کئی داروغہ بھی شامل تھے۔

بارات کو اُتارنے کے لیے قصبے کے باہر ایک بڑے املی کے درخت کے نیچے شامیانہ بنایا گیا تھا۔ وہیں ان لوگوں نے آکر آرام کیا اور بارات کے لیے تیار ہوئے۔ بڑے املی کے درخت سے خان صاحب کی کوٹھی تک کچی سڑک خاص طور سے ہموار کی گئی تھی۔ دو رویہ ہنڈے گاڑے گئے تھے۔ رات کو دن بنایا گیا تھا۔

کوٹھی میں سارے سامانِ آرائش وزیبائش لگا کر اُسے دلہن کی طرح سجا دیا گیا تھا۔ بینڈ بجاتی، انار چھوڑتی جب شان وشوکت سے بارات کوٹھی میں آئی تو سارے قصبے نے مہمانوں کے خیر مقدم میں حسبِ حیثیت حصّہ لیا۔ اس مجمع میں رائے صاحب کے مختارِ عام ہمّت رائے بھی تھے۔ کچھ تو وہ گاؤں کی ریت نبھانے آئے تھے، کچھ یہ خیال تھا کہ بارات کھانا دانا، جہیز سب کچھ بغور دیکھیں گے اور اُن میں قابلِ اعتراض پہلو ڈھونڈ کر اپنے مالکوں کو سنائیں گے اور انھیں حریف پر ہنسنے کا موقع دیں گے۔

جب دولہا مسند پر بیٹھ چکا تو دلہن والوں کی طرف سے خلعت پہنایا گیا اور قاضی صاحب اندر جا کر دلہن کی رضا مندی لے آئے۔ اب انھوں نے دولہا سے آہستہ سے پوچھا کہ اتنے مہر پر فلاں بی بی سے نکاح منظور ہے؟ دولہا نے مہر کی رقم سنتے ہی صاف انکار کر دیا۔

پہلے تو لوگ رسمی رد و کد سمجھے مگر جب بار بار پوچھنے پر بھی دولہا نہیں نہیں کہتا گیا تو باپ کو رجوع کیا گیا۔ بتایا کہ خان صاحب کے ہاں برسوں سے پچپن ہزار کا دستور چلا آتا ہے اور اسی پر اصرار ہے۔ انھوں نے کہا کہ ''میں ایسے ناہنجار دستور کا قائل نہیں۔'' غرض اب بات بڑھی۔ بااثر لوگوں نے دونوں طرف سمجھانے کی کوشش کی مگر اُن کی ضد تھی کہ ہم پانچ سو ایک روپے سے ایک پیسہ زائد نہ دیں گے۔ انھیں باتوں میں تیز تیز فقروں اور آپس کی نوک جھونک نے آگ لگائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دولہا کے باپ بول اُٹھے ''ہماری ڈال ہمیں واپس کیجیے۔ ہم بارات پلٹا لے جائیں گے۔''

اب تو پورا قصبہ برہم ہوگیا۔ لکھن پور کی ناک کٹ گئی۔ بارات چڑھ کر آئی۔ لڑکی مانجھوں میں بیٹھ گئی۔ وہ بغیر بیاہ کے باہر کیسے نکلے گی؟ دوسرے گاؤں والے طرح طرح کے نام دھریں گے۔ بس سارے گھروں سے لاٹھیاں نکل آئیں۔ آج باراتیوں کی لاشیں ہی قصبے سے اُٹھ کر جائیں گی۔ اب تو ڈپٹی صاحب بھی گھبرائے، تحصیل دار صاحبان اور داروغہ جی بھی۔ لیکن خان صاحب نے خلافِ معمول بڑی سوجھ بوجھ سے کام لیا۔ انھوں نے قصبے والوں کو روکا سمجھایا کہ یہ لوگ ہمارے مہمان ہیں انھیں گاؤں سے صحیح سلامت جانے دو۔ اسی میں ہماری بات اونچی رہے گی۔ اسی کے ساتھ انھوں نے ایک ایک چیز گِنوا کر سارے مجمع کے سامنے واپس کی۔ پھر ایک ایک سے خوشامد کی کہ نکاح نہیں ہوا نہ سہی، لڑکی میں کوئی عیب نہیں۔ اللہ اس کا دوسرا بر دے گا مگر کھانا تیار ہے اسے کیوں برباد کیجیے مگر باراتیوں نے ایک نہ سنی اور یوں ہی بھوکے جائے قیام پر پلٹ گئے۔ لاریوں میں موٹروں میں سامان رکھے جانے لگے۔

ہمّت رائے ہنستے کھلکھلاتے رائے صاحب کے یہاں پہنچے۔ وہ ابھی رسوئی سے اُٹھے تھے اور حُقّہ پی کر بستر پر آرام کے لیے جانے والے ہی تھے، ہمّت رائے نے کھیس نکال کر کہا ''مبارک ہو سرکار! لیجیے بھگوان نے خان صاحب کو اتنا ذلیل کر دیا کہ وہ زندگی بھر سر نہیں اُٹھا سکتے۔ بارات دروازے پر چڑھ کر واپس گئی۔''

رائے صاحب نے ایک ایک بات پوچھی۔ چہرے پر مسکراہٹ دوڑ رہی تھی کہ دفعتہً سات برس کی موہنی دوڑی دوڑی باہر آئی، ''بابو جی! بابو جی!! گھر آیئے، دیدی بلاتی ہیں۔'' بیٹی پر نظر پڑتے ہی رائے صاحب کی ہنسی غائب ہوگئی۔ وہ سنّاٹے میں آ گئے۔

© NCERT not to be republished

موہنی سے کہا، ''اچھّا تو چل میں آتا ہوں۔'' مگر اندر نہ گئے۔ اُٹھ کر ٹہلنے اور کچھ سوچنے لگے۔ ہمت رائے باتوں کی جھڑی لگاتے رہے۔ اسی سلسلے میں یہ کہہ گئے کہ ''اب تو کوئی عزّت والا خان صاحب کی اس لڑکی کو پوچھے گا بھی نہیں۔''

رائے صاحب ایک بار گرج پڑے ''کیا بکتے ہو جی۔ جیسی میری موہنی، تمھاری بیٹی ویسی ہی اُن کی لڑکی۔ گاؤں بھر کی ناک کٹ جائے گی اور تم ہو کہ بغلیں بجا رہے ہو۔''

ہمّت رائے نے جی جی کہا اور سٹپٹا کر خاموش ہوگئے۔ رائے صاحب نے آدمی کو آواز دی۔ اچکن منگوا کر پہنی۔ سر پر منڈیل رکھی اور ہمّت رائے سے بولے ''دیکھو، میرے سارے آدمیوں کو بلاؤ کہ لاٹھیاں لے لے کر ساتھ چلیں۔''

تھوڑی دیر میں ایک آدمی آگے لالٹین لیے، اس کے پیچھے رائے صاحب اور اُن کے پیچھے تقریباً بیس آدمی لاٹھی لیے ہوئے، اسی شان سے یہ دوسرا جلوس بارات کی قیام گاہ پر پہنچا۔ گاؤں والے پہلے ہی سے موجود تھے۔ رائے صاحب کو دیکھتے ہی سب کے سب ان کے ساتھ ہو لیے۔

رائے صاحب نے آہستہ سے آدمیوں کو حکم دیا کہ بارات کو گھیر لو اور خود سمدھی صاحب کی طرف متوجّہ ہوئے۔ سمدھی کا غصّہ اس لیے اور بھی زیادہ تھا کہ ان کے سارے باراتی بھوکے تھے۔ خان صاحب کے ہاں سے انکار تو کر آئے تھے مگر اب آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ قصبے کے سارے بازار اور دکانیں بند تھیں اور کھلی بھی ہوتیں تو شاید ان کو ایک کھیل بھی نہ ملتی۔ یہ دکاندار کھانا مہیا کرنے کی بجائے ڈنڈے سے ضیافت کرنے کے لیے تیار تھے۔

رائے صاحب نے اُن کو سلام کر کے پوچھا، ''آپ ہی لڑکے کے والد ہیں؟'' وہ جھنجھلا کر بولے ''جی میں ہی ہوں۔ آپ کا کیا نام ہے؟''

رائے صاحب نے بہت ہی ملائمت سے کہا، ''جی مجھ کو امراؤ سنگھ کہتے ہیں۔''

وہ اُن کی اور خان صاحب کی عداوتوں کے حال سے واقف تھے۔ اس لیے بہت خوش ہوئے بولے ''رائے صاحب! واللہ خوب ملے جی! آپ ہی کو تو آنکھیں ڈھونڈ رہی تھیں۔ شاید ہمارے آنے کی خبر نہ ہوئی ورنہ ہمیں اس طرح کی تکلیف نہ ہوتی۔''

رائے صاحب نے کہا، ''جی آپ کی عنایت ہے مگر آپ لوگوں کو تکلیف کیا ہے یہ معلوم نہ ہوا۔ کیا خان صاحب نے آؤ بھگت میں کوئی کمی کی؟ کھانا، میں نے سُنا کہ انھوں نے بڑا اہتمامی پکوایا ہے۔ شہر کے حلوائیوں کے علاوہ بنارس سے کشمیری پکانے والے ہندوؤں کے لیے اور لکھنؤ کے باورچی مسلمانوں کے لیے بلوائے ہیں۔

وہ بولے ''اجی، وہ آئے ہوں گے سب مگر ہم تو یوں ہی بھوکے جا رہے ہیں۔'' رائے صاحب نے کہا، ''یہ کیسے ممکن ہے؟
وہ خان صاحب کے چچا زاد بھائی منّو خان کی طرف پلٹے، ''کیا آپ نے اپنے مہمانوں کو کھانا کھلایا؟''
منو میاں نے کہا، ''خان صاحب نے خود اُن لوگوں سے فرداً فرداً کہا بارات شوق سے واپس لے جایئے مگر کھانا کھا لیجیے مگر ان لوگوں نے مانا ہی نہیں۔'' سمدھی صاحب بولے ''اجی ہم خان صاحب کے ہاں ایک دانہ بھی منہ میں ڈالنا اب حرام سمجھتے ہیں۔''

رائے صاحب نے تیور بدل کر کہا، ''تو جناب، ان کے علاوہ اس وقت اس قصبے میں کوئی دوسرا آپ کو ایک دانہ بھی نہیں کھلا سکتا۔'' سمدھی صاحب نے گھبرا کر کہا، ''تو یہ کہیے کہ آپ بھی انھیں لوگوں میں شامل ہو گئے۔''

رائے صاحب بولے، ''جنابِ من! وہ خان صاحب کی لڑکی ہو کہ میری یا غریب نتّھو کی، وہ گاؤں بھر کی بیٹی ہے۔ آپ سارے گاؤں کی ناک کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' سمدھی صاحب جھلّا کر بولے، ''رائے صاحب! جس کی بھی ناک کٹے ہم تو جا رہے ہیں۔'' رائے صاحب نے کہا، ''جی بڑے شوق سے تشریف لے جایئے مگر ایک تحریر دے دیجیے کہ آپ جتنی چیزیں ساتھ لائے تھے، وہ سب واپس اور بہ سلامتی جان و مال یہاں سے واپس جا رہے ہیں۔''

سمدھی صاحب نے غرّا کر پوچھا، ''اگر تحریر نہ دیں تو......''

رائے صاحب نے مجمع کی طرف اشارہ کر کے کہا، ''تو آپ خود ہی سمجھ لیں کہ آپ یہاں سے کیسی صورتیں لے کر جائیں گے۔''

سمدھی صاحب بھڑک اُٹھے، ''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

رائے صاحب نے کہا، ''کچھ نہیں بس یہ کہ ہم سب چھوٹے آدمی ہیں۔ ہماری تحصیلیں چھوٹی ہیں اور ہمارا پیمانۂ صبر بھی چھوٹا ہے۔ اس لیے ہم اپنی ذلّت برداشت نہ کر سکیں تو ہم پر زیادہ تعجّب کی گنجائش نہیں۔''

سمدھی صاحب چیخ پڑے، ''تو جناب! آپ ہمیں دھمکا کر تحریر لکھوانا اور ہمیں قانون کے شکنجے میں پھنسانا چاہتے ہیں۔ یہ تو نہ ہوگا۔''

اُن کی آواز جو بلند ہوئی تو باراتی سمٹ آئے۔ ڈپٹی نصراللہ نے بڑھ کر پوچھا، ''کیا معاملہ ہے رائے صاحب؟''

رائے صاحب نے کہا، ''کچھ نہیں ڈپٹی صاحب۔ میں سمدھی صاحب سے ایک تحریر مانگ رہا تھا۔ اسی پر وہ چراغ پا ہو گئے۔ اب آپ لوگ انھیں سمجھایئے۔ آپ قصبہ والوں کے تیور دیکھ رہے ہیں۔ اس پر بھی غور فرمایئے کہ باراتیوں میں آپ سرکاری ملازم بھی شامل ہیں۔ اگر یہ اپنی بات پر اَڑے رہے تو آپ لوگ بھی ان کے ساتھ اسپتالوں میں جائیں گے۔

© NCERT not to be republished

سرکاری افسران جلدی سمدھی صاحب کو الگ لے گئے۔ انھیں سمجھایا۔ اپنی شرکت کی وجہ سے اپنی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ بالآخر ڈپٹی نصراللہ نے فیصلہ سنایا،'' بارات خان صاحب کے پاس واپس جائے گی اور نکاح پچپن ہزار میں ہی ہوگا۔'' اور پھر بارات بینڈ بجاتی واپس ہوئی۔ رائے صاحب بڑے پھاٹک تک ساتھ آئے مگر وہاں سے اپنے آدمیوں کے ساتھ اپنے گھر کی طرف مڑے۔

خان صاحب کو جب معلوم ہوا کہ رائے صاحب نے گاؤں کی لاج رکھ لی مگر پھاٹک سے پلٹ گئے تو قاضی صاحب کو روک کر بولے،'' ٹھہر جائیے، نکاح ابھی نہیں ہوگا'' اور جلدی سے کوٹھی سے نکل گئے۔ لوگ گھبرا کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ یا اللہ! اب کون سا نیا فتنہ کھڑا ہوا؟ دو ایک ان میں سے پکارتے ہوئے پیچھے پیچھے دوڑے مگر خان صاحب بالکل خاموش لپکے ہوئے سیدھے رائے صاحب کے مکان کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ وہ گردن جھکائے ہوئے کچھ سوچتے ہوئے لالٹین کی روشنی میں چلے جارہے تھے۔ خان صاحب جا کر لپٹ گئے۔ وہ رائے صاحب کی گردن میں بانہیں ڈال کر مشکل سے یہ کہہ سکے،'' بھائی امراؤ سنگھ! میرا قصور معاف کرو۔ چل کر اپنی بیٹی بیاہ دو۔'' تھوڑی دیر بعد باراتیوں کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ آگے آگے لالٹین لیے آدمی ہیں اور اُن کے پیچھے رائے صاحب اور خان صاحب ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے چلے آرہے ہیں۔

دالان میں پہنچ کر خان صاحب نے رائے صاحب کی طرف ملتجیانہ نگاہ سے دیکھا۔ رائے صاحب نے گلوگیر آواز میں کہا،'' قاضی صاحب! نکاح پڑھایئے۔'' اور دونوں کے گالوں پر موتی لڑھک آئے۔

(علی عباس حسینی)

مشق

لفظ و معنی

خطاب یافتہ	:	خطاب پایا ہوا
ممتاز کرنا	:	نمایاں کرنا، بلند مرتبے پر پہنچانا

© NCERT not to be republished

مملکت : حکومت

کد : دشمنی

گماشتے : کارندے، ملازم، نوکر

آویزش : بھڑکانا، اُکسانا

گڑھیّا : زمین کا وہ نشیبی حصّہ جس میں پانی جمع ہو جاتا ہے

بیگھا : زمین کی پیمائش کی پرانی مقدار جیسے ایکڑ ہیکٹر وغیرہ

آب پاشی : کھیتوں میں پانی دینا

سبحان اللہ : اللہ کی ذات پاک ہے

مقبوضہ : قبضہ کی ہوئی

فکر دامن گیر ہونا : فکر مند ہونا

زک دینا : شکست دینا، شرمندہ کرنا

ناہنجار : بے کار، خراب

نیوتا : دعوت نامہ

دورویہ : دوطرف

آرائش وزیبائش : سجاوٹ

حسبِ حیثیت : حیثیت کے مطابق

حریف : دشمن

مہر : شادی کے وقت دولہا کی طرف سے دی جانے والی رقم

تحصیل دار : تحصیل افسر

جائے قیام : ٹھہرنے کی جگہ

دفعتہً : اچانک

ناک کٹنا : رسوائی ہونا، بدنامی

© NCERT not to be republished

منڈیل	:	پگڑی
بغلیں بجانا (محاورہ)	:	خوش ہونا
مہیّا	:	موجود، تیار
ضیافت	:	مہمانوں کی آؤ بھگت
ملائمت	:	نرمی
عداوت	:	دشمنی
جنابِ من	:	عزت کے لیے بولا جانے والا لفظ
تحصیل	:	ایسا دفتر جس میں زمین سے متعلق معاملات حل کیے جاتے ہیں
پیمانۂ صبر	:	صبر کا پیمانہ
چراغ پا	:	غصّہ
لاج رکھنا	:	عزّت رکھنا
ملتجیانہ نگاہ	:	التجا کی نگاہ
گلوگیر آواز	:	رُندھی ہوئی آواز، غمگین آواز

سوالات

1۔ بدیسی راج نے امراؤ سنگھ اور خان صاحب کو کس خطاب سے نوازا تھا؟

2۔ رائے صاحب اور خان صاحب میں رنجش کیوں تھی؟

3۔ رائے صاحب مہتو گڑھیا کا مقدمہ کیوں ہار گئے؟

4۔ ہمّت رائے نے رائے صاحب کو کیا خبر سنائی؟

5۔ بارات کیوں واپس جا رہی تھی؟

6۔ اس کہانی میں رائے صاحب نے کیا کردار ادا کیا؟

© NCERT not to be republished

زبان وقواعد

☆ نیچے لکھے ہوئے جملوں کی وضاحت کیجیے:

- کہتے ہیں کہ ایک میان میں دو تلوار اور ایک مملکت میں دو سلطان نہیں رہتے لیکن لکھن پور میں رائے صاحب اور خان صاحب دونوں رہتے تھے۔
- وہ خان صاحب کی لڑکی ہو کہ میری یا غریب نتھو کی، وہ گاؤں بھر کی بیٹی ہے۔
- ہم سب چھوٹے آدمی ہیں۔ ہماری تحصیلیں چھوٹی ہیں اور ہمارا پیمانۂ صبر بھی چھوٹا ہے۔

غور کرنے کی بات

ہندوستان گنگا جمنی تہذیب کا آئینہ ہے۔اس میں سبھی مذہب کے لوگ مل جل کر محبت سے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں۔ذاتی رنجشوں کو بھلا کر گاؤں کی عزّت کو اوّلیت دی جاتی ہے۔

عملی کام

(i) اس کہانی کو ڈرامے کی شکل میں اسٹیج کیجیے۔

(ii) نیچے لکھے ہوئے محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

مونچھ اونچی رہنا	حق نمک ادا کرنا	آگ بھڑکانا	چھٹی کا دودھ یاد آنا
مونچھوں پر تاؤ دینا	خاک میں مل جانا	ناک کٹنا	فتنہ کھڑا ہونا
سنّاٹے میں آنا	بغلیں بجانا	آنتیں قل ھواللّٰہ پڑھنا	آؤ بھگت کرنا

© NCERT not to be republished

کمار گندھرو

(1942 – 1992)

کمار گندھرو کا اصل نام شِوپُتر سِدھ رمیّا کوم کلی تھا۔ بچپن میں ہی موسیقی میں غیر معمولی کمال حاصل کرنے کی وجہ سے انھیں کمار گندھرو کالقب دیا گیا۔ان کی پیدائش سُلیبھاوی ،بیلگام صوبۂ کرناٹک میں ہوئی۔کمار گندھرو نے کلاسیکی موسیقی کے بنیادی ضابطوں کو نبھاتے ہوئے بھی کسی گھرانے کو اختیار نہ کرکے ایک نئی راہ نکالی۔وہ بہت جلد ہی ہندوستانی موسیقی میں ایک بہت روشن ستارے کی طرح چمکنے لگے۔ 1947 میں وہ دیواس (مدھیہ پردیش) منتقل ہوگئے۔ یہاں آنے کے تھوڑے دنوں بعد ہی انھیں ایک پھیپھڑے میں کینسر ہوگیا جسے آپریشن کرا کے نکلوانا پڑا۔اس طرح وہ ایک پھیپھڑے سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگئے۔ آپریشن کے بعد یہ غیر معمولی فن کار گانا تو دور بولنے سے بھی محروم ہوگیا۔مایوسی بھرے ان دنوں میں ایک گوریّا جو اکثر ان کے پاس آیا کرتی تھی اس کی آواز سن کر انھیں تحریک ملی کہ ایک اتنی چھوٹی چڑیا اگر اتنا سریلا گا سکتی ہے تو کیا کوشش کرنے سے میں دوبارہ اپنی آواز حاصل نہیں کرسکتا؟ اس کے بعد وہ اپنی غیر معمولی قوتِ ارادی سے ایک بار پھر نہ صرف بولنے لگے بلکہ گانے بھی لگے۔

بیماری پر قابو پانے کے بعد کمار گندھرو نے پہلی بار کسی محفل میں پروگرام پیش کیا۔دھیرے دھیرے انھیں پھر وہی مہارت حاصل ہوگئی جو بیماری سے قبل تھی۔کمار گندھرو نے اب گائکی کا اپنا الگ اسلوب بنایا جس میں آواز کے اتار چڑھاؤ اور اچانک تبدیلی کا خاص اہتمام ہوتا ہے اور آواز بہت لمبی نہیں کھینچنی پڑتی ہے۔ انھیں لوک گیت اور بھجن گانے میں بہت مہارت حاصل تھی۔ خاص طور سے مالوا (مدھیہ پردیش) کے لوک گیت اور کبیر کی شاعری کو انھوں نے اپنی آواز سے ایک نیا وقار عطا کیا ہے۔کمار گندھرو نے لوک سنگیت پر مبنی کئی راگوں کی تخلیق کی۔انھیں حکومت ہند نے 1990 میں پدم وِبھوشن اعزاز سے نوازا۔

© NCERT not to be republished

5286CH04

بے مثال گلوکارہ ۔ لتا منگیشکر

برسوں پہلے کی بات ہے، میں بیمار تھا۔ ایک دن یوں ہی میں نے ریڈیو لگایا تو ایک سریلی آواز کانوں میں رس گھول گئی۔ احساس ہوا کہ اس آواز میں کوئی خاص بات ہے۔ اس آواز نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ آواز کس کی ہے۔ میں غور سے اسے سنتا رہا۔ گانا ختم ہونے کے بعد گلوکارہ کے نام کا اعلان کیا گیا۔ لتا منگیشکر کا نام سن کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور کچھ قربت کا احساس بھی ہوا۔

میرا خیال ہے کہ یہ فلم برسات سے بھی پہلے کا کوئی گیت تھا۔ تب سے لتا متواتر گاتی چلی آرہی ہے اور میں بھی اس کے گانے سنتا چلا آرہا ہوں۔ لتا سے پہلے سنگیت میں مشہور گلوکارہ نور جہاں کا طوطی بول رہا تھا لیکن اس میدان میں بعد میں آنے والی لتا منگیشکر، نور جہاں سے کہیں آگے نکل گئی۔ فن کی دنیا میں ایسے عجوبے کم ہی ہوتے ہیں۔

میں بلا جھجک کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستانی گلوکاراؤں میں لتا کے مقابلے کی کوئی گلوکارہ نہیں ہوئی۔ لتا کی وجہ سے فلمی سنگیت کو حیرت انگیز مقبولیت حاصل ہوئی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ کلاسیکی موسیقی کے سلسلے میں لوگوں کا زاویۂ نظر بھی بدل گیا۔ پہلے بھی گھر گھر چھوٹے بچّے گیت گایا کرتے تھے لیکن ان گیتوں میں اور آج کل گائے جانے والے گانوں میں بڑا فرق نظر آتا ہے۔ آج کل کے ننھے منّے بھی سُر میں گانے لگے ہیں۔ کیا یہ لتا کا جادو نہیں ہے؟ کوئل کی آواز جب مسلسل کانوں سے ٹکراتی ہے تو سننے والا اس کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ فطری امر ہے۔ اس طرح لتا نے نہ صرف نئی نسل کو متاثر کیا بلکہ فلمی گیت اور سنگیت میں عوام کی دلچسپی میں بھی اضافہ کیا۔ یقیناً سنگیت کی مقبولیت، اس کے فروغ اور اس کی ہر دل عزیزی میں اضافے کا شرف لتا ہی کو حاصل ہے۔

© NCERT not to be republished

گانوں سے دلچسپی رکھنے والے کسی عام آدمی کو لتا کے گیتوں کا اور کلاسیکی گیتوں کا ٹیپ سنایا جائے تو وہ لتا کے گیتوں کے ٹیپ ہی کو پسند کرے گا۔ کیوں کہ اسے تو چاہیے آواز کی وہ مٹھاس جو اسے مدہوش کر دے۔ گیت میں اگر نغمگی ہو تو وہ سنگیت ہے۔ آپ لتا کا کوئی بھی گانا لیجیے، اس میں آپ سو فیصد نغمگی محسوس کریں گے۔

لتا کی مقبولیت کا اصل راز اس کی آواز کی نغمگی ہے۔ لتا کے گانے کی ایک اور خاصیت ہے اس کی آواز کی لطافت۔ لتا سے پہلے سنگر نور جہاں بھی ایک اچھی گلوکارہ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے گانے سننے والوں کو مسرور کر دیتے تھے لیکن لتا کے گانوں میں نرمی اور بے خود کر دینے والی کیفیت پائی جاتی ہے۔ فلمی موسیقی کے ہدایت کاروں نے لتا کی آواز کے اس جادو کا جتنا فائدہ اٹھانا چاہیے تھا نہیں اٹھایا۔ ایسا کہنے میں مجھے کوئی جھجک نہیں کہ اگر میں خود موسیقار ہوتا تو لتا کی اس خصوصیت سے ضرور فائدہ اٹھاتا۔

لتا کے گانوں کی ایک اور خصوصیت اس کی بلند آہنگی ہے۔ اس کے گیت کے دو لفظوں کے بیچ کا فاصلہ ترنم سے اس طرح بھرا ہوتا ہے کہ دونوں لفظ ایک دوسرے میں سمائے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ گرچہ ایسا ہو جانا مشکل ہے لیکن لتا کے یہاں یہ بات بڑی آسان اور فطری معلوم ہوتی ہے۔

یہ مان لیا گیا ہے کہ لتا کے گانوں میں درد بھرے جذبات کی عکّاسی نہایت مؤثر انداز میں ہوتی ہے، لیکن میں اس سے متفق نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے کہ لتا نے درد انگیز جذبات کے برعکس خوشی کے جذبات والے گیت بڑے والہانہ انداز سے گائے ہیں۔

کسی اچھے مصنف کا طویل کیریئر، زندگی کے راز کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ زندگی کا وہی راز کسی مقولے یا کہاوت میں بھی بڑی خوبصورتی سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کلاسیکی سنگیت کی تین گھنٹے تک جاری کسی محفل کا سارا لطف لتا کے تین منٹ کے گانے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ کیا لتا تین گھنٹوں کی محفل جما سکتی ہے؟

ایسا شک بھرا سوال کرنے والوں سے مجھے بھی پوچھنا ہے کہ کیا کوئی اوّل درجے کا گلوکار تین منٹ کے وقفے کا فلمی گیت اتنی کامیابی اور جذبات انگیزی سے گا سکتا ہے؟ اس کا جواب ہے۔ ''نہیں''۔ فلمی سنگیت نے عوام کو خالص موسیقی سے متعارف کرایا ہے۔ موسیقی کے تعلق سے ان کا تنقیدی رویّہ بھی بدلا ہے۔ اب وہ صرف کلاسیکی سننا نہیں چاہتے۔ انھیں تو سریلا اور جذبات سے بھرا ہوا گانا چاہیے۔ یہ انقلاب فلمی سنگیت ہی نے برپا کیا ہے۔

فلمی سنگیت میں تخلیق کاری کی بہت گنجائش ہے۔ اس نے ملک کے راجستھانی، پنجابی اور بنگالی لوک گیتوں کے ذخیرے

سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا ہے۔دھوپ اور گرمی کی ستائش کرنے والے پنجابی لوک گیت، خشک اور بے آب راجستھان میں بارش کی یاد دلانے والے اور پہاڑوں کی گھاٹیوں وادیوں میں گونجنے والے پہاڑی گیت، موسموں کی گردش کو سمجھنے والے اور کھیتوں میں کاشتکار کی محنتوں کا تذکرہ کرنے والے لوک گیت اور برِج کی دھرتی پر گائے جانے والے مدھر گیت فلم کے میدان میں ان سب کا بڑا ہی متاثر کن استعمال کیا گیا ہے اور کیا جاتا رہے گا۔

لتا فلمی سنگیت کی اس وسیع دنیا میں گویا بے تاج ملکہ ہے۔اگر چہ فلمی دنیا میں پردے کے پیچھے گانے والے بہت سے فن کار موجود ہیں مگر لتا کی مقبولیت ان سب سے بڑھ کر ہے۔ ان کی مقبولیت کی بلندی تک کوئی پہنچ نہیں سکتا۔ گذشتہ کئی برسوں سے وہ متواتر گا رہی ہیں اور عوام میں وہ اب بھی مقبول ہیں۔ نصف صدی تک عوام میں اپنی مقبولیت برقرار رکھنا کوئی آسان کام نہیں۔ زیادہ کیا کہوں، ایک راگ دیر پا ثابت نہیں ہوتا۔ بھارت کے کونے کونے میں لتا کے گانوں کا پہنچ جانا یا بیرونی ممالک میں ان کے گانوں کو سن کر لوگوں کا سر دُھننا کیا یہ غیر معمولی بات نہیں ہے؟

ایسا فن کار صدیوں میں ایک ہی پیدا ہوتا ہے۔وہ فن کار آج ہمارے درمیان موجود ہے۔ اسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ ہماری کتنی بڑی خوش قسمتی ہے۔

یقیناً سنگیت کے میدان میں لتا کا مقام اوّل درجے کی خاندانی گلوکارہ کی حیثیت سے تسلیم کر لینا چاہیے۔

(کمار گندھرو)
(ہندی سے ترجمہ)

مشق

لفظ و معنی

گلوکارہ	:	گیت گانے والی
طوطی بولنا	:	شہرت، مشہور ہونا
زاویۂ نظر	:	دیکھنے / سوچنے کا انداز
فطری	:	قدرتی، حقیقی

شرف	:	بڑائی ،عظمت
نغمگی	:	ترنم
بلند آہنگی	:	آواز کا اونچا ہونا
المیہ	:	دکھ
تخلیق کاری	:	نئی نئی چیزیں بنانا
نصف صدی	:	آدھی صدی
دیرپا	:	دیر تک باقی رہنے والا

سوالات

1۔ لتا منگیشکر کے گیت کا مصنّف پر کیا اثر ہوا؟
2۔ مصنّف نے کس گلوکارہ سے لتا کا موازنہ کیا ہے؟
3۔ لتا کی مقبولیت کا راز کیا ہے؟
4۔ لتا کے گیتوں میں دو لفظوں کے بیچ کا فاصلہ کس طرح بھرا جاتا ہے؟
5۔ لتا کے گائے ہوئے گیتوں میں کون سی بات آسان اور فطری معلوم ہوتی ہے؟
6۔ فلمی سنگیت میں کون سے لوک گیتوں سے فائدہ اٹھایا گیا؟

زبان وقواعد

☆ نیچے لکھے ہوئے محاوروں کے معنی لکھیے اور انھیں اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

رس گھولنا طوطی بولنا سر دُھننا میدان میں آنا

© NCERT not to be republished

غور کرنے کی بات

اس سبق میں آپ نے گیت اور سنگیت کے بارے میں پڑھا۔غور کیجیے کہ دلوں کو لُبھانے والی آوازیں کیا صرف سازوں اور گیتوں ہی میں سنائی دیتی ہیں۔سبق میں آپ نے کوئل کی پکار کا ذکر بھی پڑھا۔دوسرے کون سے پرندوں کی آوازیں دلوں کو لبھاتی ہیں؟

عملی کام

☆ ''لتا منگیشکر کے گیتوں کی کیسٹس کے ساتھ ایک شام'' عنوان سے ایک اشتہار کا مضمون تحریر کیجیے۔

© NCERT not to be republished

سفرنامہ

سفرنامہ ہمارے زمانے کی ایک مقبول صنف ہے۔ ہر سفر ایک تجربہ ہوتا ہے اور اگر کسی شخص میں اس تجربے کو بیان کرنے کی صلاحیت بھی ہو تو ایک دل چسپ سفرنامہ لکھا جاسکتا ہے۔ پرانے زمانے میں جب مسافر سفر سے واپس آتے تو اپنے تجربات کی روداد دوستوں اور عزیزوں کو سناتے تھے۔ اس طرح کے بہت سے قصّے آپ نے بھی پڑھے ہوں گے۔ اردو نثر کی ترقی کے ساتھ ہمارے ادبی سرمائے میں کئی صنفوں کا اضافہ ہوا۔ سوانح نگاری، خود نوشت، تنقید، انشائیہ اور سفرنامہ، نثر کی نسبتاً جدید تر صنفیں کہی جاتی ہیں۔

سفرنامے کے مطالعے سے ہمیں اجنبی دیاروں، دور دراز کے ملکوں، تہذیبوں اور جغرافیائی حالات سے آگاہی ملتی ہے۔ بہت سے انوکھے کرداروں سے ملاقات ہوجاتی ہے۔ سفرنامے ہمارے لیے اس دنیا کے مختلف علاقوں سے تعارف کا ذریعہ بنتے ہیں۔ سفرناموں کے مطالعے سے ہماری عام معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہم گھر بیٹھے بڑی بڑی مہمیں سر کرلیتے ہیں اور ایسے دیاروں تک جا پہنچتے ہیں جہاں جانا ہمارے لیے آسان نہ ہوتا۔ اس لحاظ سے سفرنامے کو عملاً سفر کا بدل بھی کہا جاسکتا ہے۔

اردو کا پہلا سفرنامہ یوسف خاں کمبل پوش کا ''عجائباتِ فرنگ'' ہے۔ یوسف خاں نے 30 مارچ 1837 میں کولکاتا سے پانی کے جہاز کے ذریعے انگلستان کا سفر کیا تھا۔ انھوں نے انگلستان کے شہر لندن میں قیام کیا۔ وہاں کی آب وہوا، نئی نئی ایجادات اور وہاں کے باشندوں کا ذکر انھوں نے نہایت دل چسپ انداز میں کیا ہے۔

بیسویں صدی کے سفرناموں میں منشی محبوب عالم کا سفرنامہ ''سفرنامۂ بغداد'' اور قاضی عبدالغفار کا ''نقشِ فرنگ'' بہت مقبول ہوئے۔

خواجہ احمد عباس کا ''مسافر کی ڈائری'' پروفیسر احتشام حسین کا ''ساحل اور سمندر'' اور قرۃ العین حیدر کا ''جہانِ دیگر'' اردو کے دل چسپ سفرنامے ہیں۔ مشہور سفرنامہ نگاروں میں بیگم اختر ریاض، مستنصر حسین تاڑر کے نام بھی شامل ہیں۔ اردو میں چند مزاحیہ سفرنامے بھی لکھے گئے ہیں جن میں ابن انشا، شفیق الرحمٰن اور مجتبیٰ حسین کے سفرنامے قابلِ ذکر ہیں۔

© NCERT not to be republished

قرۃ العین حیدر

(1927 – 2007)

قرۃ العین حیدر اُردو کے مشہور ادیب سجاد حیدر یلدرم کی بیٹی تھیں۔ وہ علی گڑھ میں پیدا ہوئیں اور یہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم اے کیا۔اعلیٰ تعلیم کے لیے یوروپ میں بھی رہیں۔وہ ممبئی میں کئی انگریزی رسائل سے منسلک رہیں۔ممبئی کے طویل قیام کے بعد دہلی آگئیں۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی میں وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے شعبۂ اُردو سے وابستہ رہیں۔ ملک کی آزادی کے بعد اُردو افسانہ نگاروں کی جونئی نسل سامنے آئی ان میں قرۃ العین حیدر کا نام نمایاں ہے۔قرۃ العین حیدر نے افسانوں کے علاوہ ناول، سفر نامے اور رپورتاژ بھی لکھے ہیں۔ان کی تحریروں کا ایک خاص تاریخی اور تہذیبی پس منظر ہوتا ہے۔

''ستاروں سے آگے''، ''شیشے کے گھر''، ''پت جھڑ کی آواز''، ''روشنی کی رفتار'' اور ''جگنوؤں کی دنیا'' ان کی کہانیوں کے مجموعے ہیں۔''میرے بھی صنم خانے''، ''سفینۂ غمِ دل''، ''آگ کا دریا''، ''آخر شب کے ہم سفر''، ''گردشِ رنگِ چمن'' اور ''چاندنی بیگم'' ان کے ناول ہیں۔ ''کار جہاں دراز ہے'' ان کا طویل سوانحی ناول ہے۔ ''چائے کے باغ''، ''دل رُبا''، ''اگلے جنم موہے بٹیا نہ کیجو'' اور ''سیتاہرن'' قرۃ العین حیدر کے ناولٹ ہیں۔ ''داستانِ عہدِ گل'' اور ''دامانِ باغباں'' بھی ان کی معروف کتابیں ہیں۔

© NCERT not to be republished

5286CH05

جاپان

کوئی جاپانی اپنے چہرے پر غصّے کے آثار نہیں لاتا۔ کئی دفعہ میں نے دیکھا سڑک پر سائیکل والے کی ٹکّر ٹھیلے والے سے ہوگئی (یہ تین پہیوں والے بڑے اور چھوٹے موٹر ٹھیلے ہیں ہاتھ کے ٹھیلے کوئی نہیں دھکیلتا)۔ ان دونوں نے اُتر کر ایک دوسرے کا گریبان نہیں پکڑا، نہ گھونسے تانے نہ گالیاں دیں، خاموشی سے افسوس کا اظہار کیا اور اسی سکون کے ساتھ اپنے اپنے راستے چلے گئے۔

ایمان داری کا یہ عالم ہے کہ ساری قوم صدیوں سے لکڑی کے ایسے مکانوں میں رہتی آرہی ہیں جن کی پتلی پتلی کاغذی دیواریں ہوتی ہیں۔ دروازے سرے سے ہوتے ہی نہیں وہی دیواریں اِدھر اُدھر کھسکا کر گھر بند کرلیا جاتا ہے۔ تالوں اور چٹخنیوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر نہ چوریاں ہوتی ہیں نہ سیندھ لگتے ہیں جب کہ حالت یہ ہے کہ عام طور پر مکان ایسی نفیس چیزوں سے سجے ہوتے ہیں کہ خواہ مخواہ چوری کرنے کو جی چاہے۔

ٹوکیو کے جھل جھل کرتے ریلوے اسٹیشن کی دیواروں پر چوبی اور روغنی فریسکو بنے ہیں۔ ٹرین کی ساری کی ساری کوچیں ائیر کنڈیشنڈ ہیں اور پہلو کے بجائے درمیانی کوریڈور کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ سارے ڈبّوں میں قالین بچھے ہیں۔

صبح کے دھندلکے میں دوسو کے قریب کانفرنس کے مہمانوں کو لے کر ٹرین ٹوکیو کی طرف روانہ ہوئی۔ چار کوچیں مہمانوں کے لیے مخصوص ہیں۔ ٹرین کے چلنے کے بعد سب نے اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کر اِدھر اُدھر ٹہلنا شروع کیا لوگ دریچوں کے پاس گروہ بنا بنا کر بیٹھ گئے۔

باہر حدِ نظر تک کارخانے پھیلے ہیں جن کی چمنیوں سے دھواں اُٹھ رہا ہے۔ سبزے پر بارش شروع ہوگئی ہے۔ منظر کے بھورے اور سبز رنگوں کا یہ امتزاج انگلستان کے صنعتی کنٹری سائڈ کی یاد دلا رہا ہے۔ ہر طرف فیکٹریاں ہیں اور آگے نکل کر تیز ہری گھاس کے میدان اور گھاٹیاں پہاڑیاں اور دیودار اور پائن کے جنگل جن کے درمیان لکڑی کے مکان بنے ہیں۔ یہاں چاروں اور اتنا حسن ہے کہ یقین نہیں آتا کہ یہ اصل مناظر ہیں یا کابکی اسٹیج کی سیٹنگز۔

جگہ جگہ سانچی کے پھاٹک کھڑے ہیں۔ ان کے اندر باغات ہیں اور شرائن۔ چھتریاں لگائے عورتیں گڑیوں کی طرح چلتی

© NCERT not to be republished

لکڑی کے پلوں پر سے گزر رہی ہیں۔ پائن سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں پر بادل تیر رہے ہیں۔ بادل جُھک کر گاؤں پر چھا گئے ہیں۔ دھان کے کھیتوں پر بہتے پھر رہے ہیں ٹرین کے شیشوں سے ٹکرا رہے ہیں۔

پائن کا درخت صرف صاف ہوا میں بڑھتا ہے یہ شفاف ہوا ہے جو بانس کے جھنڈوں میں سرسرا رہی ہے۔ اس قبرستان پر سے گزر رہی ہے جہاں چھوٹی چھوٹی قبروں میں مرے ہوئے جاپانیوں کی راکھ دفن ہے۔ چاروں اور پہاڑیوں پر پائن کے سیدھے درخت کہرے میں چھپے کھڑے ہیں۔ کولتار کی سڑکیں بل کھاتی سرسبز گاؤں میں سے گزر رہی ہیں۔ برساتیاں اور فل بوٹ پہنے کسان کھیتوں میں کام کر رہے ہیں۔ برجس نما سفید پائجامے پہنے اور سر پر سفید رومال باندھے کسان عورتیں پگڈنڈیوں پر سے گزر رہی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے دیہاتی اسٹیشنوں پر مسافر برساتیاں پہنے، چھتریاں سنبھالے، مغربی پوشاک میں ملبوس خاموشی، سے ٹرین کے منتظر کھڑے ہیں۔ بالکل انگلستان کے دیہاتوں کا سا منظر ہے۔

جاپانی مکانوں میں فرنیچر بالکل نہیں ہوتا۔ صرف چٹائیاں بچھی ہوتی ہیں۔ جابجا گلدان نظر آتے ہیں۔ دیواروں پر پینٹنگز یا لمبے اسکرول آویزاں ہوتے ہیں۔ مہمانوں کی آمد پر گھر کی بی بی دیوار کے اندر بنی ہوئی نیچی الماریوں کا پٹ کھسکا کر کشن نکالتی ہیں جو چٹائیوں پر رکھ دیئے جاتے ہیں۔ چوکی کے گرد فرش پر بیٹھ کر کھانا کھایا جاتا ہے۔

یہ ٹوکیو کے قدیم ترین ارسٹوکریٹک خاندان کا مکان تھا مگر اس کی سادگی کا بھی یہی عالم تھا۔

چائے کی رسم کے متعلق ہم کو پہلے سے بہت سے لیکچر پلائے جا چکے تھے۔ ٹرین ہی میں اس کی ہسٹری کے متعلق ایک کتابچہ پڑھا دیا گیا تھا۔ یہ بتلایا گیا تھا کہ یہ ایک ایسا RITUAL ہے جس کی بہت سخت رومانی، مذہبی اور تہذیبی اہمیت ہے۔ یہ

جاپانی آداب محفل کا نچوڑ ہے۔ یہاں کے معاشرتی اخلاق کا سمبل ہے۔ پھول سجانے کے فن کے اسکولوں کی طرح یہاں چائے بنانے اور پیش کرنے کے فن کے اسکول بھی ہوتے ہیں جہاں چائے بغیر اعلیٰ خاندانوں کی لڑکیوں کی تعلیم مکمّل نہیں سمجھی جاتی۔ اس رسم کا باقاعدہ ایک پورا فلسفہ ہے۔

یورا سینکے اس ملک کے گرینڈ ماسٹر ہیں۔ اُن کی بی بی اور بیٹے اور فرینچ بولتی ہوئی بے حد خوب صورت بہو نے ہم لوگوں کا سواگت کیا اور حسب دستور بات بات پر ہاتھ جوڑ کر سر جھکاتی رہی۔ یہ لوگ سب کیمونو میں ملبوس تھے۔ ہمیں مختلف کمروں میں بٹھلا دیا گیا۔ ایک کمرے میں ڈونگر کیری وادیا اور میں مزے سے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے مگر یوروپین خواتین وحضرات کی فرش پر بیٹھنے میں بڑی کمبختی تھی۔ پھر نہایت اہتمام سے کمرے کے سرے پر ایک خاص طرح کی کیتلی میں چائے تیار ہوئی اس کا چولہا فرش کے اندر ایک چھوٹے سے تہ خانے میں بنا تھا۔ ہم سب دم سادھے بیٹھے رہے کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے؟ فضا پر زبردست تقدس کا ماحول تھا۔ باہر بارش ہو رہی تھی۔ میں کمرے کے کونے میں بالکل دیوار سے لگی بیٹھی تھی۔ میں نے ذرا پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کونے کی دیوار ذرا کھسکا دی گئی۔ اور اس میں سے باغ کا ایک گوشہ نظر آرہا تھا۔ درختوں کے پتّے، باغ کے فرش کے پتھر اور بارش کی پھواریں اوپر سے نکلتی ہوئی روشنیوں میں جھل مل کر رہی تھیں۔

رنگ برنگے کیمونو میں خوب صورت لڑکیاں سخت سنجیدہ شکلیں بنائے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ہمارے سامنے آئیں۔ دو زانو جھک کر رکوع میں گئیں سامنے ایک پلیٹ رکھی جس میں ایک عدد لڈّو بانس کے ٹکڑے پر پتے میں لپٹا ہوا دھرا تھا۔ سجدے میں گریں جواباً ہم بھی تعظیماً جھکے پھر وہ اُٹھ کر اسی طرح چلتی ہوئی واپس گئیں۔ لڈّو بے حد بدذائقہ تھا لیکن خاموش رہے۔ معاملہ روحانیت اور تہذیب کی اعلیٰ ترین سمبلزم کا تھا۔ دم مارنے کی گنجائش نہ تھی۔

ابھی کلائمکس باقی تھی، وہی لڑکیاں دوبارہ نمودار ہوئیں۔ ہمارے سامنے آکر سجدے میں گریں۔ ایک چینی کے پیالے میں ایک ہرے رنگ کا گاڑھا سا جوشاندہ سامنے رکھا۔ دوبارہ سجدہ کیا، ہم بھی جھکے، وہ واپس گئیں۔ میں نے مادام وادیا سے چپکے سے پوچھا۔

''اب کیا ہوگا؟''

''اسے پی جاؤ اور کیا ہوگا۔ منہ ہرگز نہ بنانا۔''

''مگر یہ ہے کیا شے۔ خیر ابھی چائے آتی ہوگی۔ اس سے حلق صاف ہو جائے گا۔''

''ارے یہی تو چائے ہے۔'' کملا نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ ''اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ پوری پینا پڑے گی۔ ایک بوند پیالے میں نہ چھوڑنا ورنہ انتہائی بداخلاقی سمجھی جائے گی۔''

لہٰذا بہادری سے کام لیتے ہوئے میں نے آنکھیں بند کیں اور انتہائی نفاست سے پیالہ ہاتھ میں اُٹھا کر وہ کڑوا ملغوبہ جسے جاپانی ستم ظریفی سے چائے کہتے ہیں میں نے ھوالشّافی کہہ کر پی ڈالا۔ کملا اور مادام وادیا بھی اس فرض سے سبکدوش ہو چکی تھیں اور بڑی متانت سے بیٹھی تھیں۔ یقیناً اس وقت ہم تینوں کے چہروں پر گھڑوں نور برس رہا تھا۔

اس کڑوے کسیلے جوشاندے کے لیے اس قدر دھوم دھام جب سے اس ملک میں آئے تھے مار سب جاپانیوں نے مل کرناک میں دم کر رکھا تھا چائے کی رسم ایسی— اور چائے کی رسم ویسی۔ بہت شور سُنتے تھے ہاتھی کی دُم کا۔

(قرۃ العین حیدر)

(سفر نامہ 'ستمبر کا چاند' سے ماخوذ)

مشق

لفظ و معنی

آثار	:	اثر کی جمع، تاثر
سیندھ لگانا	:	دیوار میں سوراخ کر کے چوری کے لیے دوکان یا مکان میں گھسنا
چوبی	:	لکڑی کی بنی ہوئی
روغنی	:	پینٹ (Paint)
فریسکو	:	دیواری تصویریں
دریچہ	:	کھڑکی
حدِ نظر	:	جہاں تک نگاہ پہنچے
سبزہ	:	ہریالی
امتزاج	:	ملا جُلا
صنعتی	:	کارخانے

© NCERT not to be republished

کنٹری سائڈ	:	مضافات،شہر سے ملحق بیرونی علاقہ
کابکی اسٹیج	:	لکڑی کے چھوٹے چھوٹے اسٹیج
شرائین	:	مزار،سمادھی
برجس	:	شکاریوں کا لباس جس میں نیچے کا حصّہ تنگ ہوتا ہے جبکہ اوپری حصّہ خاصا چوڑا ہوتا ہے
اسکرول	:	کاغذ پر بنائی ہوئی تصویریں جنھیں لپیٹا جا سکتا ہے
ارسٹوکریٹک	:	امیروں اور رئیسوں کا خاندان،اشرافیہ
RITUAL	:	ایسی رسمیں جن کی پابندی سختی سے کی جاتی ہے
سمبل	:	علامت
کیمونو	:	جاپانی خواتین کا لباس
تقدّس	:	پاکیزگی
دوزانو	:	گھٹنوں کو پیچھے کی طرف موڑ کر بیٹھنا
روحانیت	:	ایسے مسائل جن کا تعلق انسان کے اندرون سے ہو
کلائمکس	:	نقطۂ عروج،منتہا
ملغوبہ	:	کئی چیزوں کو ملا کر تیار کیا گیا مشروب
ستم ظریفی	:	زیادتی،مزاق میں ظلم کرنا
ھوالشّافی	:	اللہ مجھے شفا دے،دعائیہ کلمہ
متانت	:	سنجیدگی

سوالات

1۔ مصنف نے جاپانیوں کے مزاج کی کیا خاص بات بیان کی ہے؟

2۔ مصنف نے جاپانیوں کی ایمان داری کا کیا ذکر کیا ہے؟

© NCERT not to be republished

3۔ مصنف نے جاپان کا کیا منظر پیش کیا ہے؟

4۔ جاپانیوں کے گھر کیسے ہوتے ہیں؟

5۔ جاپانی چائے کو اہمیت کیوں دیتے ہیں؟

6۔ چائے سے قرۃالعین حیدر کی ضیافت کس طرح کی گئی؟

زبان وقواعد

☆ نیچے لکھے ہوئے جملوں میں مصنف کے لطیف طنز کی وضاحت کیجیے:

- لڈّو بے حد بد ذائقہ تھا مگر معاملہ روحانیت اور تہذیب کی اعلیٰ ترین سمبلزم کا تھا۔دم مارنے کی گنجائش نہ تھی۔
- ابھی کلائمکس باقی تھی، وہی لڑکیاں دوبارہ نمودار ہوئیں ۔ہمارے سامنے آ کر سجدے میں گریں۔ ایک چینی کے پیالے میں ایک ہرے رنگ کا گاڑھا سا جوشاندہ سامنے رکھا۔
- لہٰذا بہادری سے کام لیتے ہوئے میں نے آنکھیں بند کیں اور انتہائی نفاست سے پیالہ ہاتھ میں اٹھا کر وہ کڑوا ملغوبہ جسے جاپانی ستم ظریفی سے چائے کہتے ہیں میں نے ھوالشّافی کہہ کر پی ڈالا۔
- اس کڑوے کسیلے جوشاندے کے لیے اس قدر دھوم دھام ،جب سے اس ملک میں آئے تھے مارسب جاپانیوں نے مل کرناک میں دم کر رکھا تھا۔چائے کی رسم ایسی اور چائے کی رسم ویسی۔بہت شور سنتے تھے ہاتھی کی دُم کا۔

غور کرنے کی بات

ہر ملک کے عوام اپنی تہذیب اور روایات کی قدر دل سے کرتے ہیں۔دُنیا کے مختلف ملکوں کی اپنی اپنی تہذیبیں ہیں۔ جاپانی بھی اپنی تہذیب کے دل دادہ ہیں۔ چائے کی رسم کواُن کے یہاں اب بھی وہی قدر ومنزلت حاصل ہے جو پہلے تھی۔ اعلیٰ خاندان کی لڑکیوں کو چائے بنانے اور اُسے پیش کرنے کا فن باقاعدہ سکھایا جاتا ہے۔یہ اُن کی مذہبی اور تہذیبی عقیدت کا حصّہ بھی ہے۔ہمیں بھی ہندوستان کی شان دار تہذیب اور روایت کی قدر کرنی چاہیے۔

© NCERT not to be republished

عملی کام

☆ کسی ایسے شہر کا خاکہ لکھیے جہاں آپ سیر و تفریح کے لیے گئے ہوں۔ یا اپنے شہر کی نمایاں خصوصیات کا خاکہ پیش کیجیے۔

☆ نیچے لکھی ہوئی عبارت کو پڑھیے اور اس سے متعلق سوالات کے جواب لکھیے۔

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کے سامنے شاندار مستقبل تھا۔ وہ چاہتے تو بیرونِ ملک جاکر مالی مشکلات اور بے روزگاری کے مسئلے پر قابو پا سکتے تھے لیکن وطنِ عزیز سے سچّی محبت اور ملک و قوم کی خدمت کے جذبے نے انھیں یہ قدم نہ اٹھانے دیا۔ ڈاکٹر کلام نے 1957ء میں ڈفینس ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ آرگینائزیشن (DRDO) سے وابستہ ہوکر اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا اور یہاں پانچ سال تک اہم سائنسی تحقیقات میں مصروف رہے۔ انھوں نے اپنی محنت اور لگن سے فضائی سائنس اور ٹیکنالوجی میں ملک کو اہم مقام تک پہنچا دیا۔ انھوں نے زندگی کا سارا وقت میزائلوں کی ترقی کے سلسلے میں وقف کر دیا اور میزائل منصوبے کے ساتھ ایٹمی تحقیق کے شعبوں میں بھی نمایاں کارکردگی کا ثبوت دیا۔ اس بڑی کامیابی نے ''انھیں مزائل مین'' بنا دیا اور ان کا شمار دنیا کے دس بڑے میزائل سائنس دانوں میں ہونے لگا۔ وہ ہمیشہ نظریہ، مقصد اور ہدف (Vision, Mission and Goal) کے اپنے مقصدی جملے پر عمل پیرا رہے۔

(i) ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کے سامنے کیا شاندار مستقبل تھا؟

(ii) ڈاکٹر کلام نے اپنی عملی زندگی کا آغاز کس طرح کیا؟

(iii) ڈاکٹر کلام کو میزائل مین، کیوں کہا جاتا ہے؟

(iv) ڈاکٹر کلام کا مقصدی جملہ کیا ہے؟

© NCERT not to be republished

سیّد امتیاز علی تاج

(1900 — 1970)

نام سیّد امتیاز علی اور تاج تخلّص تھا۔ بچپن سے ہی ذہین تھے۔ ابتدائی تعلیم پہلے گھر پر پھر اسکول میں ہوئی۔ اُنھیں کم عمری سے ہی تھیٹر اور ڈراموں کا شوق تھا۔ 1922 میں انھوں نے اپنا شاہ کار ڈراما 'انارکلی' لکھا جو دس برس بعد 1932 میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس ڈرامے میں ان کی بہترین تخلیقی صلاحیتیں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ انارکلی کے بعد انھوں نے کوئی مکمل اسٹیج ڈراما نہیں لکھا۔ البتّہ یک بابی ڈرامے، ریڈیائی ڈرامے، فلمی کہانیاں اور مکالمے لکھتے رہے۔ انھوں نے فلم سازی بھی کی اور فلمی ہدایت کار کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔

سید امتیاز علی تاج کی مزاحیہ کتاب ''چچا چھکّن کے کارنامے'' کو اردو ادب میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ چچا چھکن اردو ادب کا ایک بے مثال مزاحیہ کردار ہے۔ اپنی دل چسپ گفتگو اور مضحکہ خیز حرکات کی وجہ سے چچا چھکن کا شمار زندہ کرداروں میں ہوتا ہے۔

ایک بات یاد رہے کہ اس سبق میں ساٹھ ستر سال پرانی تہذیب اور رہن سہن کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ چنانچہ لکھنے پڑھنے کا سامان بھی پرانے ڈھنگ کا ہے۔ یہاں فاؤنٹین پین اور بال پوائنٹ پین کی جگہ نب اور ہولڈر کا قلم نظر آتا ہے جس کے لیے دوات اور جاذب کی ضرورت پڑتی ہے۔ امتیاز علی تاج کی تحریر سے لطف اندوز ہونے کے لیے اس پس منظر کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

© NCERT not to be republished

چچا چھکّن نے خط لکھا

صبح کے وقت چچی دالان میں چار پائی پر بیٹھی بچوں کو چائے پلا رہی تھیں۔ چچا چائے سے فارغ ہو کر صحن میں کرسی پر اکڑوں بیٹھے تھے۔ اتنے میں بندو بھاگتا ہوا آیا اور ایک خط لا کر چچی کے قریب رکھ دیا۔ چچا نے دس مرتبہ پوچھ ڈالا ''کس کا خط ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کس نے بھیجا ہے؟ کیا بات ہے؟''

چچی بگڑ گئیں ''توبہ ہے، خط آیا نہیں اور سوالات کا تانتا باندھ دیا۔ مجھے غیب کا علم تو آتا نہیں کہ دیکھے بغیر بتا دوں کس کا خط ہے۔''

چچا کچھ خفیف سے ہو گئے۔ ''بھلا خطا ہوئی کہ پوچھا۔ ہماری بلا سے کسی کا ہو۔''

بندو نے کہا ''بیگم صاحب، منصرم صاحب کی بیگم کا آدمی جواب کے انتظار میں کھڑا ہے۔''

یہ سن کر چچا سے نہ بیٹھا گیا۔ پوچھا ''کیا لکھا منصرم صاحب کی بیوی نے؟''

چچی نے چائے کی پرچ چھُٹّن کے منہ سے لگاتے ہوئے بے پروائی سے کہا ''رات کے کھانے پر بلایا ہے۔''

''کیا بات ہے؟ کوئی تقریب؟''

چچی نے کسی قدر سرسری انداز میں کہا ''بات کیا ہوتی؟ منشی صاحب کی بیوی مجھ سے ملنا چاہتی تھیں، انھیں اور مجھے دونوں کو کھانے پر بلا لیا ہے۔''

شاید مزید اطمینان حاصل کرنے کو چچا بولے ''تو گویا زنانہ ضیافت ہے۔ بہت معقول بیوی ہیں۔ ایسی ملنسار بیویاں کہاں

© NCERT not to be republished

نظر آتی ہیں۔ضرور جاؤ ضیافت میں۔ بلکہ کوئی موقع ہو تو انھیں بھی اپنے ہاں مدعو کرو۔'' ساتھ ہی ایک مشورہ بھی فیصلے کی صورت میں پیش کیا ''بچّے تو جائیں گے ہی ساتھ۔'' چچی نے کچھ بگڑ کر آہستہ سے کہا ''ہمسایوں کو بھی نہ لیتی جاؤں۔''

باہر ملازم جواب کا تقاضا کر رہا تھا۔ ایسا موقع اور چچا اپنی خدمات پیش کرنے سے رُک جائیں؟ بولے ''ہم لکھ دیں جواب؟''

چچی بولیں ''نہ بس آپ معاف رکھیے۔ فارغ ہو کر میں آپ ہی لکھ لوں گی۔''

روکے جانے کا باعث چچا کیوں نہ پوچھیں۔ بولے ''کیا معنی؟ ہم خط لکھنا نہیں جانتے؟ دعوت منظور کرنے ہی کا خط لکھنا ہے نا! تو اس کا لکھنا ایسی کون سی جوئے شیر لانا ہے۔''

اتنے میں چھٹّن نے جلدی سے چائے کا گھونٹ بھرا تو اسے اُچھال آ گیا۔ ساری کی ساری چائے کپڑوں پر آن پڑی۔ چچی ''ہائے نامراد'' کہتی ہوئی تولیے سے کپڑے پونچھنے لگیں۔ ادھر باہر سے آواز آئی۔

''کیوں صاحب ملے گا جواب؟'' چچی نے گھبرا کر چچا سے کہہ دیا ''اچھا پھر اب تم ہی یہ لکھ دو کہ آجاؤں گی۔''

اب کیا تھا، چچا کو منہ مانگی مراد ملی۔ خط وکتابت کے متعلق ضروری سامان فراہم کیے جانے کے احکام صادر ہونے لگے۔

''بندو، میرے بھائی، ذرا لانا تو خط لکھنے کا سامان جھپاک سے۔ کیا کیا لائے گا بھلا؟ قلم دوات اور کاغذ۔ شاباش! مگر کون سے کاغذ؟ آسمانی رنگ کے بڑھیا، رولدار ہاں دِکھانا تو ذرا اپنی چال اور سنیو...... چلا گیا؟ لفافہ بھی چاہیے ہوگا۔ ارے بھئی کوئی لفافہ بھی لاؤ۔ پر نیلے ہی رنگ کا ہو لفافہ۔ صندوقچے میں رکھے ہیں۔ لکڑی کے صندوقچے میں۔ الماری میں ہوگا صندوقچہ۔ بڑی الماری میں۔ سن لیا نا؟ ذرا پُھرتی سے۔''

''ارے ہاں اور جاذب بھی تو لانا ہے بھئی۔ جاذب! جاذب! کوئی نہیں سنتا۔ یہ امامی کہاں گیا؟ او امامی! دیکھیں اس بدمعاش کی حرکتیں۔ بس کام نکلنے کی دیر ہے اور یہ غائب۔ کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا۔ ذرا تم چلے جاتے میاں للّو! وہ جو ہری کاپی ہے نسخوں کی، وہ ہمارے تکیے کے نیچے رکھی ہے۔ اس میں جاذب ہے وہ نکال لاؤ اور دیکھنا۔ اماں سنو تو بھئی للّو! ارے میاں للّو! اوللو کے بچّے! عجب حالت ہے ان لوگوں کی۔ بس ایسے گھبرا جاتے ہیں جیسے ریل ہی تو پکڑنی ہے۔ ودّو! تم جا کر کہو جاذب نہ لائیں کاپی ہی لے آئیں۔ آخر خط بھی تو کسی چیز پر رکھ کر لکھا جائے گا۔ ہاتھ پر رکھ کر تو میں لکھنے سے رہا۔ اور سننا میری بات۔ وہ کہیں ہمارا چشمہ بھی رکھا ہوگا وہ ڈھونڈتے لانا۔''

لیجیے صاحب ایک دو منٹ میں گھر کا گھر مصروف ہو گیا۔ ایک کو کوئی چیز مل گئی، دوسرا خالی ہاتھ چلا آ رہا ہے کہ فلاں چیز

نہیں ملتی۔ کوئی کہتا ہے ''فلاں چیز مقفّل ہے۔'' کنجیوں کا گچھّا ڈھونڈا جا رہا ہے۔ چچا بگڑ رہے ہیں۔ مونچھوں سے چنگاریاں نکل رہی ہیں۔

خدا خدا کرکے تمام چیزیں جمع ہوئیں۔ چچا نے چشمہ لگایا۔ کرسی پر براجمان ہوئے۔ لڑکے چیزیں لیے اردگرد کھڑے ہوگئے۔ کاغذ سنبھالا، کاپی اس کے نیچے رکھی۔ قلم ہاتھ میں لیا۔ اب دیکھتے ہیں تو اس کا نِب ندارد!

''ہیں! نِب کہاں ہے؟ لاحول ولا قوۃ الاّ باللہ! اے اندھے اس سے لکھوں گا خط؟ اس سے لکھنا ہوتا تو میں اپنی اُنگلی سے نہ لکھ لیتا؟ تجھے قلم لانے کو کیوں کہتا؟ میں آج معلوم کرکے رہوں گا یہ حرکت کس نامعقول کی ہے؟''

باہر سے آواز آئی ''اجی صاحب جواب کے لیے کھڑے ہیں۔''

چچی یہ سب کیفیت دیکھ رہی تھیں اور دل ہی دل میں پیچ وتاب کھا رہی تھیں۔ آواز سن کر نہ رہا گیا۔ بولیں ''خدا کے لیے لکھنا ہے تو لکھ دو۔ وہ غریب باہر کھڑا سوکھ رہا ہے۔ یہ قلم نہیں تو میرا قلم موجود ہے۔ جا بنّو میرا قلم لا دے۔''

چچا اس وقت جوش میں تھے۔ چچی پر بھی برس پڑے۔ ''تمھاری ہی شہہ پا کر تو نوکروں اور بچّوں کی عادتیں بگڑ رہی ہیں۔ یہ ضرور ان میں سے کسی کی حرکت ہے۔ کوئی بچّہ یا ملازم ہمارے اس قلم سے تفریح کرتا رہا اور اسی نے اس کا نِب ضائع کیا ہے۔ سچ بتاؤ کہ یہ حرکت کس کی ہے؟''

اتنے میں بنّو چچی کا قلم لے آئی۔ چچا کا آخری فقرہ سن کر اس نے اُن کے قلم پر نگاہ ڈالی تو بولی ''لال قلم! ابّا میاں کل آپ ہی نے تو ازار بند ڈالنے کو اس کا نب اُتارا تھا۔''

چچا نے گھور کر بنّو کو دیکھا۔ قلم کو دیکھا۔ کچھ سوچا۔ کھنکار کر گلا صاف کیا۔ کرسی پر پینترا بدلا۔ کنکھیوں سے چچی اماں پر نظر ڈالی اور قلم بنو کے ہاتھ سے لے لیا۔ سر جھکا کر انگوٹھے کے ناخن پر اس کا نب پرکھنے لگے۔ بولے ''چلو اب اسی سے کام چل جائے گا۔'' آواز کا سُر بہت مدّھم تھا۔

خط لکھنا شروع کیا۔ القاب ہی لکھا ہوگا کہ خط کا کاغذ پھاڑ ڈالا۔ دوسرا منگوایا۔ ڈبّا لیا لیکن لکھتے لکھتے رُک گئے۔ بہت دیر تک مضمون سوچتے رہے۔ آخر پھر لکھنا شروع کیا۔ نِب اتنی دیر میں خشک ہو چکا تھا۔ آپ سمجھے دوات میں سیاہی کم ہے۔ قلم بے تکلف دوات میں ڈال دیا۔ تحریر شروع کرنے کی دیر تھی کہ سیاہی کا یہ بڑا دھبّا کاغذ پر! لاحول ولا قوۃ الاّ باللہ کہہ کر اس کاغذ کو بھی پھاڑ ڈالا۔ تیسرا کاغذ منگوایا۔ اس پر دو تین سطریں لکھ گئے۔ اس کے بعد قلم روک کر جو کچھ لکھا تھا، پڑھا۔ چچی کی طرف دیکھا، خط کو دیکھا اور چپکے سے پھاڑ ڈالا۔ ہلکے سے کہا ''خط کے کاغذوں کی کاپی ہی لے آ۔''

© NCERT not to be republished

کاغذوں کی کاپی کی کاپی آ گئی اور رقعے کا جواب بے فکری سے لکھا جانا شروع ہوگیا۔کبھی قلم کا شکوہ کہ نب درست نہیں، نیا نب ہے۔کبھی دوات کی شکایت کہ سیاہی ٹھیک نہیں، پھیکی ہے۔کبھی جاذب برا کہ یہ جاذب ہے یا پتنگ بنانے کا کاغذ۔ ہر شکوہ ایک نیا کاغذ ضائع کرنے کی تمہید۔ اسی میں پون گھنٹہ ہونے آ گیا۔ باہر ملازم آوازوں پر آوازیں دے رہا ہے۔ ادھر چچی یہ قصّہ ختم کرنے کا تقاضا کررہی ہیں۔ بار بار کہہ رہی ہیں ''خدا کے لیے تم مجھے قلم دوات دو میں ابھی دومنٹ میں لکھے دیتی ہوں خط۔'' مگر چچا اپنی قابلیت کی یہ توہین کیوں کر برداشت کرلیں۔ سٹ پٹا گئے ہیں مگر خط لکھنے سے باز نہیں آتے۔ پینترے پر پینترا بدل رہے ہیں اور کاغذ پر کاغذ ردّی کیے چلے جارہے ہیں۔

غرض پورے ڈیڑھ گھنٹے میں خط ختم ہوا اور اسے جلدی جلدی بند کرکے چچا نے باہر ملازم کے حوالے کیا۔

لیکن لطف اس وقت آیا جب دو پہر کو منصرم صاحب کی بیوی کے ہاں سے پھر ایک لفافہ آیا جس میں چچا چھکن کا لکھا ہوا خط رکھا تھا اور ساتھ ہی اس مضمون کا ایک رقعہ۔ ''پیاری بہن، شاید غلطی سے کسی اور کے نام کا خط میرے نام کے لفافے میں رکھ دیا گیا۔ واپس بھیجتی ہوں۔ براہِ مہربانی ملازم کے ذریعے زبانی اطلاع دیجیے کہ آپ رات کو تشریف لا سکیں گی یا نہیں؟''

چچی نے چچا کا لکھا ہوا خط پڑھا تو اس کی عبارت یہ تھی:

''جمیل المناقب، عمیم الاحسان، زادعنایتکم۔ یہاں بفضلِ ایزدخیریت ہے اور صحت وتندرستی آپ کی بدرگاہِ مجیب الدّعوات خمس الاوقات نیک چاہتے ہیں۔صورتِ حال یہ ہے کہ تلطف نامہ ساعت مسعود میں وارد ہوا۔طمانیتِ کُلّی ہو کہ وقتِ مُعیّن پر حاضری کے شرف وافتخار کا حصول مایۂ نازمتصوّر ہوگا۔''

(سیّد امتیاز علی تاج)

مشق

لفظ و معنی

شاہ کار	:	بہترین کام
منصرم	:	منتظم، انتظام کرنے والا

© NCERT not to be republished

مضحکہ خیز	:	جن پر ہنسی آئے ، بے وقوفی کا کام
غیب	:	پوشیدہ، اوجھل
خفیف	:	شرمندہ، ہلکا
پیچ وتاب کھانا	:	تِلملانا
ضیافت	:	دعوت، خاطر داری
مقفّل	:	جہاں تالا لگا ہو
جوئے شیر لانا	:	بہت مشکل کام انجام دینا
شہہ پانا	:	اکسانا، بہکانا
ضائع	:	برباد کرنا، ختم کرنا
پینترا بدلنا	:	انداز بدلنا
توہین	:	بے حرمتی، بے عزّتی
ساعتِ مسعود	:	خوشی کی گھڑی، خوشی کا لمحہ
جمیل المناقب	:	اچھی صفات رکھنے والا
عمیم الاحسان	:	عام طور پر احسان کرنے والا
زادعنایتکم	:	آپ کی عنایت میں اضافہ ہو
بفضلِ ایزد	:	خدا کے فضل وکرم سے
مجیب الدعوات	:	مراد اللہ تعالیٰ، دعا قبول کرنے والا
خمس الاوقات	:	پانچوں وقت، پنج وقتہ
تلطّف نامہ	:	کرم نامہ
وارد ہوا	:	پہنچا
طمانیت کلّی	:	مکمل اطمینان

© NCERT not to be republished

شرفِ افتخار : عزت وعنایت کا شرف
مایۂ ناز : موجب فخر
مُتصوّر : تصور کیا گیا، جسے سوچا گیا

سوالات

1۔ چچی کو دعوت پر کس نے مدعو کیا تھا؟
2۔ خط کس کا تھا اور اس میں کیا لکھا تھا؟
3۔ چچی، چچا چھکّن پر کیوں ناراض ہو گئیں؟
4۔ قلم دیکھ کر چچا چھکن کیوں خفا ہو گئے؟
5۔ خط کا جواب لکھنے میں تاخیر کیوں ہوئی؟
6۔ چچا چھکن نے خط کا جواب لکھنے میں کیا کیا ضروری سامان فراہم کیے جانے کا حکم صادر کیا؟
7۔ چچا چھکن کے خط کو منصرم صاحب کی بیوی نے کیوں واپس کر دیا؟

زبان وقواعد

☆ نیچے لکھے ہوئے محاوروں اور کہاوت کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

تانتا بندھنا جوئے شیر لانا پیچ وتاب کھانا پینترا بدلنا برس پڑنا

کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا

© NCERT not to be republished

غور کرنے کی بات

- چچا چھکّن کے کردار پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ بظاہر یہ ایک معمولی کردار ہے لیکن امتیاز علی تاج نے مضحکہ خیز حرکات اور دل چسپ گفتگو سے اس کردار کو دل چسپ بنا دیا ہے۔
- تاجؔ نے چچا چھکّن کے خط لکھنے کے انداز میں بھی ایک ایسا پہلو پیش کیا ہے کہ خط کی سنجیدہ عبارت پڑھتے ہوئے قاری مسکرائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

عملی کام

☆ چچا اور چچی کے مابین دل چسپ مکالموں کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

© NCERT not to be republished

ابنِ انشا

(1927–1979)

اصل نام شیر محمد خاں اور قلمی نام ابن انشا تھا۔ جالندھر میں پیدا ہوئے۔ 1947 میں اپنے خاندان کے ساتھ لاہور چلے گئے۔ 1952 میں کراچی یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ ابتدا میں روزنامہ 'امروز' (لاہور) میں فکاہیہ کالم تحریر کیے۔ بعد میں روزنامہ 'جنگ' (کراچی) اور اخبار 'جبل' میں بھی کالم لکھے۔ شاعر اور مزاح نگار کی حیثیت سے شہرت ملی۔ ابن انشا اردو اور فارسی کے الفاظ کے ساتھ محاورہ، روزمرہ اور انگریزی الفاظ کا استعمال بڑی برجستگی سے کرتے ہیں۔ طنز و مزاح کا رنگ نمایاں ہے۔

''آوارہ گرد کی ڈائری''، ''دنیا گول ہے''، ''چلنا ہو تو چین کو چلیے''، ''ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں'' دل چسپ سفر نامے اور ''قصہ ایک کنوارے کا''، ''اردو کی آخری کتاب'' اور ''خمار گندم'' وغیرہ ان کے مزاحیہ مضامین کے مجموعے ہیں۔

ان کا پہلا شعری مجموعہ ''چاند نگر'' کے نام سے شائع ہوا۔ انھوں نے بچوں کے لیے نظمیں بھی لکھی ہیں۔

© NCERT not to be republished

5286CH07

ذرا فون کرلوں

جب تک گھر میں ٹیلیفون نہ ہو آپ کبھی اندازہ نہیں کر سکتے کہ آپ عوام الناس بالخصوص اپنے محلّے والوں میں کتنے مقبول ہیں۔ ہمیں بھی اس کا پتہ اس وقت چلا جب ہم پچھلے دنوں بیمار ہو کر صاحبِ فراش ہوئے۔

شیخ نبی بخش تاجر چرم ہمارے محلّے دار ہیں۔ ان سے علیک سلیک ہے۔ گاڑھی چھننے والی کوئی بات نہیں۔ ہمیں ان کے حُسنِ اخلاق کا بھی اندازہ نہ تھا۔ ہمارے بیمار ہونے کے بعد سب سے پہلے وہی تشریف لائے۔ ہماری پٹّی کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے۔ تعزیت کرنے والوں کا منہ بنایا اور پوچھا۔ کیا شکایت ہے۔ ہم نے کہا ''آپ سے ہمیں کوئی شکایت نہیں، واللہ نہیں۔''

فرمانے لگے ''میں تو آپ کی بیماری کا پوچھ رہا ہوں۔'' تب ہم نے بتایا کہ معمولی کھانسی ہے، بخار ہے۔ بولے اس کو معمولی نہ جانیے گا۔ میری بیوی کے بھانجے کو یہی عارضہ تھا۔ آپ ہی کی عمر کا رہا ہوگا۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

''مرگیا؟'' ہم نے بوکھلا کر پوچھا۔

فرمایا ''ہمارے لیے تو مر ہی گیا۔ وہاں سنا ہے شادی کرلی۔ ہمیں تو خط بھی نہیں لکھتا۔'' ہم نے حیات تازہ پا کر اطمینان کا سانس لیا۔ کچھ رشک ان کی بیوی کے بھانجے کی قسمت پر بھی آیا۔ بہر حال ہم نے ان بزرگ سے کہا کہ آپ نے ناحق مزاج پرسی کے لیے آنے کی زحمت فرمائی۔

اٹھتے اٹھتے اتّفاق سے ان کی نظر ہمارے فون پر پڑ گئی۔ بولے اپنی دکان پر فون کرلوں؟ جو شخص اتنی محبت سے حال پوچھنے آئے اس سے کیا دریغ ہوسکتا ہے۔ ہم نے کہا۔ شوق سے کیجیے۔

وہ گئے ہی ہوں گے کہ ریٹائرڈ تھانیدار حال ٹھکیدار میر باقر علی سندیلوی لٹھیا ٹیکتے آئے۔ بولے ''سنا آپ کے دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے؟''

© NCERT not to be republished

''ہمارے دشمنوں کی تو نہیں۔ہمیں ضرور کھانسی، بخار ہے''۔ ہم نے وضاحت کی۔نہایت شفقت سے ہماری نبض ٹٹولتے ہوئے بولے'' کچھ دوا دارو کرو،احتیاط رکھو۔ تم ایسا ادیب اور انشا پرداز کم از کم ہمارے محلّے میں تو کوئی نہ ہوگا۔ اگر خدانخواستہ قضاوقدر کے کان بہرے۔کوئی ہرج مرج ہوگیا تو ادب کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ جائے گا۔''

انھوں نے کچھ کہا۔ہم اپنی وحشت میں کچھ اور سمجھے۔ چنانچہ بہ آواز بُلند عرض کیا کہ'' قبلہ یہ سن کر افسوس ہوا کہ آپ کے کان بہرے ہو رہے ہیں۔ ان میں باقاعدہ چنبیلی کا تیل گرم کر کے ڈالا کیجیے۔اب رہا نقصان سوٹھیکیداری میں نفع نقصان تو ہوتا ہی ہے۔''

اس پر ہمارے ایک دوست نے جو ہمارے پاس بیٹھے تھے ہمیں جھنجھوڑا اور میر صاحب سے معذرت کی کہ'' معاف کیجیے یہ شخص یوں ہی بہکی بہکی باتیں کیا کرتا ہے۔آپ کی مزاج پُرسی کا شکریہ۔''

اس پر انھوں نے فرمایا کہ مزاج پُرسی تو میرا بحیثیت مسلمان اور ہم محلّہ ہونے کے عین فرض تھا۔اس میں زحمت کی کوئی بات نہیں۔ پر اٹھتے اٹھتے بولے'' میرا لڑکا نالائق صبح سے بھٹّے پر گیا ہوا ہے۔میں یہاں اینٹوں کے ٹرک کا انتظار کر رہا ہوں۔ اجازت ہوتو اسے فون کرلوں۔''

شوق سے کیجیے۔ہم نے کہا'' آپ ہی کا فون ہے۔''

اس کے بعد پروفیسر کے،بخش کے آنے کی اطلاع ہوئی۔ان کے نام نامی سے کون واقف نہیں ۔سعید منزل کے سامنے بیٹھتے ہیں اور قسمت کا حال بتاتے ہیں۔مقدمہ، بیماری، روزگار ہر مسئلے پر ان کا مشورہ مفید رہتا ہے۔ لاعلاج بیماریوں کے مایوس مریضوں کا علاج بھی کرتے ہیں۔نام کریم بخش ہے اور پروفیسر بننے سے پہلے ہمارے ایک عزیز کے ہاں خانساماں تھے۔ ان کی راہ ورسم ہم سے ان ہی دنوں سے ہے۔ آئے بیٹھے ۔ہمارا حال پوچھا۔ پھر ہمارے ڈاکٹر کا نام پتہ دریافت کیا۔ پھر ڈاکٹروں اور ڈاکٹری طریقۂ علاج کے متعلق کچھ چارحرفی ناقابل طباعت کلمات ارشاد فرمائے۔ اس کے بعد تشخیص کی اور کہا تمھارے جسم میں شکر کی کمی ہے۔اور گلاخراب ہے۔ اپنے مجربات میں سے ایک چیز بھیجنے کا وعدہ کیا جو مینڈک کی چربی، گندھک اور لال ٹڈے کے انڈوں سے بنتی ہے اور اُلو کے مغز کے ساتھ نہارمنہ کھانی پڑتی ہے۔یہ بھی اٹھتے ہوئے ٹیلیفون پر ایک جگہ آرڈر دے گئے کہ آدھا سیر گھیکوار اور نیولے مجھے کل میرے فٹ پاتھ پر بھجوادیے جائیں۔

ہم تو لوگوں کے اخلاق کریمانہ کے ممنون ہوکے رہ گئے۔ہمارے بھائی نے ہمارے نہ نہ کرتے ہوئے بھی کمرے میں نوٹس لگا دیا کہ جو صاحبان مزاج پرسی کو آئیں وہ فون کو ہاتھ نہ لگائیں اور جوفون کرنے آئیں وہ مزاج نہ دریافت کریں۔

© NCERT not to be republished

بہرحال دن میں چار چھے فون ضرور اس قسم کے آتے ہیں۔

''ذرا میری بیگم صاحبہ کو بلا دیجیے۔''

''ذرا ایمبولینس بھی بھیج دیجیے۔جلدی کیجیے۔ میں سیٹھ بھولو بھائی مٹی کے تیل والا بول رہا ہوں۔'' جس جگہ کے لیے یہ فون کیے جاتے ہیں، اس کے اور ہمارے فون نمبر میں فقط ایک عدد کا فرق ہے۔

یہی نہیں۔ایک حلوہ مرچنٹ کا نمبر بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ہمیں اکثر فرمائشیں اس قسم کی آتی ہیں کہ پندرہ سیر لڈّو بھیج دیجیے اور ایک ٹوکرا بالوشاہیوں کا بھی۔اصلی گھی کا۔پہلے کی طرح چربی میں تل کر نہ بھیج دیجیے گا۔ایک بار ان حلوہ مرچنٹ صاحب سے ہماری ملاقات بھی ہوئی۔ انھوں نے بتایا کہ اکثر شاعروں کے لیے غزلوں کی فرمائش ان سے کی جاتی ہے اور رسالے والے تو ہمیشہ سر رہتے ہیں کہ آپ کی نگارشات کا انتظار ہے۔سالنامہ نکل رہا ہے جلدی کیجیے۔

بعض لوگ صبر والے ہوتے ہیں۔ہمیں 'ساری رانگ نمبر' کہنے کی مہلت مل جاتی ہے۔لیکن بعضوں کو جلدی بھی ہوتی ہے۔ ایسے ہی ایک صاحب کا کل فون آیا۔

''لکھیے چار جھولداریاں۔''

ہم نے عرض کیا معاف فرمائیے۔۔۔

بات کاٹ کر بولے'' باتوں کا وقت نہیں۔ لکھتے جائیے۔ بارہ ڈنرسیٹ۔اچھے ہوں پہلے کی طرح پھٹیچر نہ ہوں۔''

ہم نے پھر کھنکار کر کہا'' اجی سنیے تو۔۔۔۔''

درشتی سے بولے چار چاندنیاں بھی ڈال دیجیے۔صاف ہوں۔سالن گری نہیں چاہئیں۔ہمارا پیسہ حلال کا پیسہ ہے۔

ہم نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن۔۔۔لیکن اُدھر سے حکم ہوا کہ پہلے ان کی فرمائش نوٹ کی جائے پھر بات کی جائے۔

''اٹھّارہ ڈونگے۔ بہتر پلیٹیں، پانچ لالٹین ،ڈیڑھ سو چمچے، دس جگ۔''

ہم سب لکھتے گئے ۔جب وہ ذرا دم لینے کو رُکے تو ہم نے کہا'' قبلہ ہم فقیر آدمی ہیں۔ ہم اتنی ساری چیزیں، یہ خس خانہ و برفاب کہاں سے لائیں گے؟''

اُدھر سے سوال ہوا'' آپ حاجی چراغ دین اینڈ سنز نہیں کیا؟''

ہم نے کہا'' جی نہیں، کاش ہوتے۔''

بھڑک کر بولے'' آپ نے پہلے کیوں نہ کہا۔اچھّے آدمی ہیں آپ۔''

(ابنِ انشا)

مشق

لفظ و معنی

عوام النّاس	:	عام لوگ
چرم	:	چمڑا، کھال
گاڑھی چھننا	:	بے تکلّفی
صاحبِ فراش	:	بیمار ہو کر گھر بیٹھ رہنا
تعزیت	:	کسی کے انتقال پر اس کے متعلقین سے مل کر اظہارِ افسوس کرنا
پٹّی کے ساتھ	:	پلنگ سے قریب تر
واللہ	:	اللہ کی قسم
لٹھیا	:	لاٹھی
دوا دارو	:	علاج
علیک سلیک	:	سلام دعا
حسنِ اخلاق	:	اچھے اخلاق، اچھی عادت
عارضہ	:	بیماری، مرض
مغفرت	:	نجات، بخشش
حیاتِ تازہ	:	نئی زندگی
زحمت	:	تکلیف
دریغ	:	افسوس
انشا پرداز	:	مضمون لکھنے والا

© NCERT not to be republished

ہرج مرج	:	نقصان
ناقابلِ تلافی نقصان	:	ایسا نقصان جس کو پورا کرنا ممکن نہ ہو
قبلہ	:	کعبہ، جناب، قابل احترام کے معنی میں استعمال ہوتا ہے
خانساماں	:	ملازم، باورچی
راہ ورسم	:	ملنا جلنا
ناقابلِ طباعت کلمات	:	وہ باتیں جو چھپنے کے قابل نہ ہوں
تشخیص	:	مرض کی پہچان کرنا
مجربات	:	یقینی طور پر اثر کرنے والی دوائیں، آزمائی ہوئی
مزاج پرسی کرنا	:	مزاج پوچھنا، بیمار کا حال دریافت کرنے کے لیے جانا
فقط	:	صرف
نگارشات	:	مضامین، تحریریں
مہلت	:	موقع، فرصت
خس خانہ وبرفاب	:	خس کی ٹٹیوں والا مکان اور برف کا ٹھنڈا پانی
خدانخواستہ	:	خدا نہ کرے
قضاوقدر کے کان بہرے	:	قضا، موت کو اور قدر، تقدیر کو کہتے ہیں پورا جملہ خدانخواستہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے
ہم محلّہ	:	محلہ دار، پڑوسی
بھٹّہ	:	جہاں اینٹیں پکائی جاتی ہیں
نام نامی	:	مشہور نام
نہارمنہ	:	باسی منہ
اخلاق کریمانہ	:	وہ اخلاق جس میں احسان شامل ہو
جھولداریاں	:	چھوٹا خیمہ
درشتی	:	چڑ چڑاہٹ

© NCERT not to be republished

سوالات

1۔ مصنف کی بیماری کی خبر سن کر سب سے پہلے کون آیا؟

2۔ ''ادب کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جائے گا۔'' یہ جملہ کس نے کس کے لیے کہا ہے؟

3۔ پروفیسر بخش کا مصنف نے کس طرح تعارف کروایا ہے؟

4۔ مصنف کے بھائی نے مزاج پرسی کرنے والوں کے لیے فون کی پابندی پر کیا نوٹس لگایا؟

5۔ مصنف کے دوست نے میر صاحب سے کیوں معذرت کی؟

6۔ مصنف کے یہاں کس کس طرح کے ٹیلیفون آتے تھے؟

زبان وقواعد

☆ نیچے لکھے ہوئے الفاظ سے جملے بنائیے۔

گاڑھی چھننا   تعزیت کرنا   ناحق   لاعلاج   مزاج پُرسی

اس سبق میں ایک لفظ 'چار حرفی' آیا ہے۔ جس کے معنی ہیں چار حرفوں والا جیسے 'کتاب' اسی طرح تین حرفوں والے لفظ کو 'سہ حرفی' کہتے ہیں جیسے 'نبی' آپ تین 'چار حرفی' اور تین 'سہ حرفی' الفاظ اپنی کاپی پر لکھیے۔

اس سبق میں ایک جگہ لکھا ہے '' آپ کی نگارشات کا انتظار ہے۔ سالنامہ نکل رہا ہے''۔ 'سالنامہ' وہ رسالہ ہے جو سال میں ایک ہی بار نکلتا ہے۔ آپ لکھیے :

- جو رسالے چھ مہینے میں نکلتے ہیں انھیں.................کہتے ہیں۔
- جو رسالے تین مہینے میں نکلتے ہیں انھیں.................کہتے ہیں۔
- جو رسالہ ہر مہینے نکلتا ہے اُسے.................کہتے ہیں۔
- اسی طرح جو اخبار ہفتے میں ایک بار نکلتا ہے اسے.................کہتے ہیں۔
- جو اخبار ہر روز نکلتا ہے اسے.................کہتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

☆ نیچے لکھے جملوں کی وضاحت کیجیے۔ یہ جملے سبق میں کس نے کب کہے ہیں:

- ''ہم تو لوگوں کے اخلاقِ کریمانہ کے ممنون ہو کے رہ گئے۔''
- ''ہم نے حیاتِ تازہ پا کر اطمینان کا سانس لیا۔''
- ''آپ نے پہلے کیوں نہ کہا۔ اچھے آدمی ہیں آپ!''

☆ یہ جملے کن موقعوں پر بولے جاتے ہیں:

- حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔
- دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے۔
- قضا وقدر کے کان بہرے۔

غور کرنے کی بات

یہ سبق بہت دل چسپ اور نصیحت آمیز ہے۔ اس سبق کے ذریعے مصنف نے ہمیں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کسی بھی چیز کا بے جا استعمال نہ صرف اپنے لیے بلکہ دوسروں کے لیے بھی تکلیف کا باعث بن جاتا ہے۔ جس طرح فون یقیناً سائنس کی اہم اور کار آمد ایجاد ہے لیکن ایک بیمار شخص اور اس کے گھر والوں کے لیے فون کس طرح پریشان کن بن گیا۔ کس طرح لوگ آتے اپنی غرض سے اور بہانہ ہوتا عیادت کا۔ اسی کو ایک پنتھ دو کاج کہتے ہیں۔

عملی کام

☆ مضمون لکھیے

- فون رحمت یا زحمت

© NCERT not to be republished

مکتوب نگاری

بعض اہلِ قلم نے مکتوب نگاری کو ایک لطیف فن قرار دیا ہے۔ ایسے خطوط بڑی تعداد میں موجود ہیں جن میں اعلیٰ تخلیقی ادب کی شان پائی جاتی ہے۔

مکتوب نگاری شخصی اظہار کی ایک شکل ہے۔ مکتوب نگار کا مخاطب کوئی ایک شخص ہوتا ہے جب کہ ادب کی دوسری اصناف میں ایک ساتھ کئی لوگ مخاطب ہوسکتے ہیں۔ کچھ ادیبوں نے ایسے عمدہ خط لکھے ہیں کہ اب مکتوب نگاری کو ایک ادبی صنف کا مرتبہ حاصل ہوچکا ہے۔ ایسے خطوط کا مطالعہ اس اعتبار سے اور بھی دل چسپ ہوجاتا ہے۔

مکتوب نگار کا مخاطب کوئی ہو، اگر مکتوب نگار کی تحریر میں کشش ہوتو خط ہر پڑھنے والے کے لیے دل چسپ ہوسکتا ہے۔ اچھّے خطوط ادب پاروں کے طور پر پڑھے جاتے ہیں۔ اردو نثر کی روایت میں غالب، شبلی، مہدی افادی، چودھری محمد علی رودولوی، ابوالکلام آزاد، رشید احمد صدیقی، منٹو، میراجی اور صفیہ اختر وغیرہ کے خطوط نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ

(1797–1869)

غالبؔ اردو، فارسی کے مشہور شاعر تھے۔ وہ اکبرآباد میں پیدا ہوئے تھے لیکن زندگی کا بیشتر حصہ دہلی میں گزارا۔ غالبؔ نے نثر نگاری کا آغاز فارسی سے کیا۔ فارسی نثر میں 'پنج آہنگ'، 'مہر نیم روز' اور 'دستنبو' ان کی اہم کتابیں ہیں۔ اردو میں ان کا سب سے بڑا نثری کارنامہ ان کے خطوط ہیں۔ بقول حالیؔ:

''مرزا کی اردو خط و کتابت کا طریقہ فی الواقع سب سے نرالا ہے۔ نہ مرزا سے پہلے کسی نے خط و کتابت میں اختیار کیا اور نہ ان کے بعد کسی سے اس کی پوری تقلید ہو سکی۔''

غالبؔ نے اپنے خطوط میں بات چیت کا انداز اختیار کیا ہے۔ غالبؔ کے اردو خطوط میں ان کی اپنی زندگی اور زمانے کے بہت سے دل چسپ حالات و واقعات سمٹ آئے ہیں۔ 1857 کے آس پاس کا ماحول غالبؔ کے خطوط میں جس تفصیل سے نظر آتا ہے اس کے پیشِ نظر یہ خطوط تاریخی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے خطوط کے بارے میں خود لکھا ہے کہ ''میں نے وہ اندازِ تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس سے بہ زبانِ قلم باتیں کیا کرو، ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو''۔ غالبؔ نے جو اسلوب اختیار کیا تھا اس کی نقل کسی سے بھی ممکن نہ ہو سکی۔ ان کے خطوط میں واقعہ نگاری، منظر نگاری اور جذبات نگاری کی غیر معمولی مثالیں ملتی ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ طنز و مزاح کا عنصر بھی غالبؔ کی نثر میں ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ غالبؔ کے اردو خطوط کے مجموعے 'عودِ ہندی' اور 'اردوئے معلّٰی' ہیں۔

© NCERT not to be republished

5286CH08

خط

(i) میر مہدی مجروؔح کے نام

''اے جناب میرن صاحب ! السّلام علیکم''

''حضرت آداب!''

''کہو صاحب، آج اجازت ہے میر مہدی کے خط کا جواب لکھوں؟'' ''تو حضور میں کیا منع کرتا ہوں۔ میں نے تو یہ عرض کیا تھا کہ اب وہ تندرست ہو گئے ہیں۔ بخار جاتا رہا ہے۔ صرف پیچس باقی ہے۔ وہ بھی رفع ہو جائے گی۔ میں اپنے ہر خط میں آپ کی طرف سے لکھ دیتا ہوں۔ آپ پھر کیوں تکلیف کریں۔''

''نہیں میرن صاحب! اس کے خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں۔ وہ خفا ہوتا ہوگا۔ جواب لکھنا ضرور ہے۔''

''حضرت، وہ آپ کے فرزند ہیں۔ ایسے خفا کیا ہوں گے۔'' ''بھائی آخر کوئی وجہ تو بتاؤ کہ تم مجھے خط لکھنے سے کیوں باز رکھتے ہو۔'' ''سبحان اللہ! سبحان اللہ! اے لو! حضرت آپ تو خط نہیں لکھتے اور مجھے فرماتے ہیں تُو باز رکھتا ہے۔''

''اچھا تم باز نہیں رکھتے، مگر یہ تو کہو، کیوں نہیں چاہتے کہ میں میر مہدی کو خط لکھوں؟''

''کیا عرض کروں۔ سچ تو یہ ہے کہ جب آپ کا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا، تو میں سنتا اور حظ اُٹھاتا۔ اب جو میں وہاں نہیں، میں نہیں چاہتا کہ آپ کا خط جاوے۔ میں اب پنج شنبہ کو روانہ ہو رہا ہوں۔ میری روانگی کے تین دن کے بعد آپ خط شوق سے لکھیے گا۔''

''میاں بیٹھو، ہوش کی خبر لو۔ تمھارے جانے نہ جانے سے مجھے کیا علاقہ۔ میں بوڑھا آدمی، تمھاری باتوں میں آ گیا اور آج تک اس کو خط نہیں لکھا۔ لاحول ولاقوۃ۔''

سنو، میر مہدی صاحب! میرا کچھ گناہ نہیں۔ اپنے خط کا جواب لو۔ تپ تو رفع ہو گئی۔ پیچس کے رفع ہونے کی خبر شتاب

© NCERT not to be republished

لکھو۔ پرہیز کا بھی خیال رکھا کرو۔ یہ بُری بات ہے کہ وہاں کچھ کھانے کو ملتا ہی نہیں۔اس وقت پہلے تو آندھی چلی، پھر مینھ آیا۔ اب مینھ برس رہا ہے۔

میں خط لکھ چکا ہوں۔سرنامہ لکھ کر چھوڑوں گا۔جب ترشّح موقوف ہو جائے گا تو کلیان ڈاک کو لے جائے گا۔ میر سرفراز حسین کو دُعا پہنچے۔

(غالبؔ)

مشق

لفظ ومعنی

پیچش	:	آنتوں کی ایک بیماری
رفع	:	دور ہونا
فرزند	:	بیٹا،اولاد
باز رکھنا	:	منع کرنا،روکنا
سبحان اللہ	:	اللہ پاک ہے،تعریف کا کلمہ
حظ اٹھانا	:	لطف لینا
پنج شنبہ	:	جمعرات
ہوش کی خبر لو	:	سمجھ داری کی بات کرو
لاحول ولاقوّۃ	:	کسی الجھن،افسوس اور بیزاری کے اظہار کے موقع پر بولتے ہیں
تَپ	:	بخار
شتاب	:	جلد،جھٹ پٹ،فوراً
سرنامہ	:	پتا،مکتوب الیہ کا پتا جو خط پر لکھا جائے

© NCERT not to be republished

ترشّح	:	بوندا باندی
موقوف ہونا	:	ٹھہرنا، رُکنا

سوالات

1۔ غالبؔ نے میرن صاحب سے میرمہدی کے خط کا جواب لکھنے کی اجازت کیوں چاہی؟

2۔ میرن صاحب نے غالبؔ کو مجروحؔ کی صحت کے بارے میں کیا بتایا؟

3۔ میرن صاحب نے غالبؔ کو مجروحؔ کے نام خط لکھنے سے کیوں باز رکھا تھا؟

زبان وقواعد

- اس خط میں ان الفاظ کی نشان دہی کیجیے جو ایک دوسرے کو خطاب کرنے کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔
- اس خط میں آئے محاوروں کو تلاش کیجیے اور انھیں اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

غور کرنے کی بات

اردو میں مکتوب نگاری کا سہرا غالبؔ کے سر ہے۔ غالبؔ کے خطوط کے سبب اردو میں خطوط نگاری کو ایک صنف کا درجہ حاصل ہوا۔ غالبؔ کا اسلوب مکالماتی ہے اور ڈرامائیت کے ساتھ ہے۔اس نقطۂ نظر سے جب ہم میر مہدی مجروح کے نام خط پر غور کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ غالبؔ کا یہ مکالماتی و ڈرامائی انداز اپنے عروج پر ہے۔ خط مجروحؔ کے نام ہے اور خطاب میرن صاحب سے خط کا ابتدائی حصہ غالبؔ اور میرن صاحب کے درمیان مکالمہ ہے اور اس خوب صورتی کے ساتھ کہ اس مکالمہ کے دونوں کردار اپنے نام کے اظہار کے بغیر واضح ہیں۔مکتوب الیہ کے نام اصل گفتگو بس آخری چند سطروں میں ہے۔ خط میں مزاح اور بے ساختگی نے اسلوب کو دو بالا کر دیا ہے۔

عملی کام

☆ غالبؔ کے انداز میں اپنے دوست کے نام ایک خط تحریر کیجیے جس میں اپنی موجودہ مصروفیات اور مستقبل کے عزائم کا ذکر ہو۔

© NCERT not to be republished

(ii) منشی ہر گوپال تفتہ کا نام

کیوں صاحب، روٹھے ہی رہوگے یا کبھی منوگے بھی؟ اور اگر کسی طرح نہیں منتے تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو۔ میں اس تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں یعنی جس کا خط آیا میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔ خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آ رہتے ہوں بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے کہ دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لاتا ہے، ایک دو صبح کو ایک دو شام کو، میری دل لگی ہو جاتی ہے، دن ان کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گزر جاتا ہے۔ یہ کیا سبب؟ دس دس بارہ بارہ دن سے تمھارا خط نہیں آیا، یعنی تم نہیں آئے۔ خط لکھو صاحب، نہ لکھنے کی وجہ لکھو۔ آدھ آنے میں بُخل نہ کرو۔ ایسا ہی ہے تو بیرنگ بھیجو۔

غالبؔ

سوموار 27 دسمبر 1858

مشق

لفظ و معنی

اطراف	:	طرف کی جمع
جوانب	:	جانب کی جمع (مراد ہے تمام سمتوں سے)
ہرکارہ	:	قاصد، ڈاک لانے والا
بُخل	:	کنجوسی
بیرنگ	:	بغیر ٹکٹ کے خط بھیجنا

© NCERT not to be republished

سوالات

1۔ غالبؔ نے خط کے آغاز میں یہ کیوں لکھا ہے کہ ''روٹھے ہی رہو گے یا کبھی منو گے بھی''؟
2۔ خطوں کو غالبؔ نے اپنی دل لگی کا سامان کیوں کہا ہے؟
3۔ غالبؔ نے خط بیرنگ بھیجنے کی بات کیوں کہی ہے؟

زبان و قواعد

☆ نیچے لکھے ہوئے جملوں کی وضاحت کیجیے:

- کیوں صاحب روٹھے ہی رہو گے یا کبھی منو گے بھی؟ اگر کسی طرح نہیں منتے تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو۔
- خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آ رہتے ہوں ایک دو صبح کو ایک دو شام کو میری دل لگی ہو جاتی ہے۔

غور کرنے کی بات

- غالبؔ کے ان دونوں خطوں میں ان کا مکالماتی انداز نظر آتا ہے۔ پہلے خط میں غالبؔ نے میرن صاحب اور اپنی گفتگو کے مکالمات کو اس طرح نقل کیا ہے کہ مجروحؔ کو بہت دن سے خط نہ لکھنے کی وجہ بیان ہو گئی ہے۔
- دوسرا خط پڑھ کر معلوم یہ ہوتا ہے کہ غالبؔ اپنے شاگرد تفتہ کو خط نہیں لکھ رہے ہیں بلکہ تفتہ اور غالبؔ آمنے سامنے بیٹھے گفتگو کر رہے ہیں۔

عملی کام

☆ غالبؔ کے کچھ خطوں کا مطالعہ کیجیے۔

© NCERT not to be republished

اعظم کریوی

وفات (1955)

اعظم کریوی الہ آباد کے ایک گاؤں کریوہ کے رہنے والے تھے۔ان کا پورا نام اعظم حسین تھا۔گاؤں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد الہ آباد آگئے۔ایک فوجی دفتر میں ملازمت کی۔تقسیم ملک کے بعد کراچی میں جا کر بس گئے۔ وہاں بھی سرکاری ملازمت کی۔ اعظم کریوی کے افسانوی مجموعے ''پریم کی چوڑیاں''، ''کنول کے پھول''، ''دل کی باتیں''اور''روپ سنگھار'' شائع ہو چکے ہیں۔اعظم کریوی کا شمار اردو کے ابتدائی افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے پریم چند اور سدرشن کی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ ان کے افسانوں میں دیہات کے حسین مناظر ، وہاں کی تہذیب، پنچایتوں اور بازاروں کی گفتگو کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ان کے افسانوں کے کردار عموماً نچلے طبقے کے لوگ ہوتے ہیں۔انھیں دیہات کے غریب لوگوں سے بہت محبت تھی۔ وہ ان کی صحیح تصویر پیش کرکے لوگوں کی توجہ ان کی طرف مبذول کرانا چاہتے تھے۔ زبان کا لوچ ،مکالمے کا فطری انداز،جملوں کی شیرینی اور گھلاوٹ انھیں دوسرے افسانہ نگاروں سے ممتاز کرتی ہے۔فارسی اور ہندی کی لطیف آمیزش ،اعظم کریوی کے افسانوں کی نمایاں خصوصیت ہے۔

© NCERT not to be republished

بڑے بول کا سر نیچا

5286CH09

پورن مَل، آگرے کے سیٹھ سر جو مل کا اکلوتا بیٹا تھا۔سیٹھ جی کی خواہش تھی کہ وہ پورن مل کو صرف تھوڑی ہندی اور مہاجنی کا کام سکھا دیں لیکن پورن مل نے انگریزی پڑھنے کے لیے ضد کی اور کسی طرح ایف۔اے تک پہنچ گیا۔ اس کے دوستوں نے اسے مشورہ دیا کہ اگر وہ دنیا میں ترقی کرنا چاہتے ہیں تو اسے یورپ وامریکہ جانا چاہیے۔اس نے سیٹھ جی سے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔

سیٹھ سر جومل پرانے خیالات کے سیدھے سادے آدمی تھے۔ انھوں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔آج تک پورن مل کی کوئی بات ٹالی نہ گئی تھی۔اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔مجبوراً سیٹھ جی کو اپنے لاڈلے کی بات ماننی پڑی اور پورن مل ہنسی خوشی امریکہ کے لیے روانہ ہو گیا۔وہاں پہنچ کر شکاگو کمرشیل کالج میں داخل ہو گیا۔

امریکہ کی ہر بات نرالی ہے۔اونچ نیچ کا وہاں کوئی سوال ہی نہیں۔ دن بھر ہوٹل میں جھوٹے برتن دھونے والا، گلی گلی دیا سلائی بیچنے والا،شام کو اچھے کپڑے پہن کر کلب جاتا ہے۔ وہاں بڑے سے بڑا امیر یا افسر بھی اسے حقارت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ پورن مل بھی ایک رات کلب میں جا پہنچا۔ وہ ایک بیش قیمت چائنا سلک کا سوٹ پہنے ہوئے تھا۔اس کو دیکھ کر لوگ مسکرانے لگے۔ پورن مل سمجھ گیا کہ سب اس کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔ اس کا ایک دوست ہریش بھی وہاں موجود تھا جو ایک عرصے سے امریکہ میں مقیم تھا۔ اس نے کہا ''مسٹر پورن اس وقت تم کو کالا سوٹ پہن کر آنا چاہیے تھا، میرے پاس دوسرا سوٹ تیار ہے۔

ڈریسنگ روم میں چل کر تم ابھی بدل سکتے ہو۔''

پورن جھلّایا ہوا تو تھا ہی، اس نے سمجھا کہ ہریش بھی اس سے مذاق کر رہا ہے۔ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ ہریش رات کو ہوٹلوں میں برتن مانجھ کر اپنی بسر اوقات کرتا ہے اور کالج میں پڑھتا ہے۔ اس نے بڑی حقارت سے جواب دیا۔

''ہریش !تم میرے اس کپڑے کی قدر و قیمت نہیں جان سکے۔''

ہریش نے بڑی نرمی سے مسکرا کر کہا۔

''پیارے بھائی! جیسا دیس ویسا بھیس۔ ہندوستان اور امریکہ کے رسم و رواج اور پوشاک میں بہت فرق ہے۔''

پورن : ''تم تو ہوٹلوں میں چائے کی پیالیاں اُٹھایا اور مانجھا کرتے ہو۔ تم اس ہتک کو نہیں سمجھ سکتے۔''

ہریش : ''اگر میں اپنے پیٹ کے لیے کوئی کام کرتا ہوں تو اس میں شرم کی کوئی بات نہیں۔ تمھاری حالت تو مجھ سے گئی گزری ہے کیونکہ تم اپنے خرچ کے لیے دوسروں کے محتاج ہو۔ پدرم سلطان بود، باپ کی دولت پر تم کیوں فخر کرتے ہو۔''

جب پورن مل چمڑے کا کام سیکھ کر امریکہ سے واپس ہوا تو سیٹھ سرجومل مر چکے تھے۔ امریکہ سے واپس آنے پر پورن مل خود اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کرنے لگا۔

سیٹھ سرجومل کی آمدنی زیادہ خرچ کم تھا لیکن پورن مل نے لڑکپن سے بڑی شان وشوکت سے رہنا سیکھا تھا۔ امریکہ کی آب و ہوا اور فیشن نے اسے اور فضول خرچ بنا دیا تھا۔ اُس نے اپنے ایک گریجویٹ دوست شیام سندر کو منیجر مقرّر کر لیا اور اب سارا کام اس کی حسبِ منشا انجام پانے لگا۔

پورن مل کا زیادہ وقت نینی تال، شملہ، دارجلنگ کی سیر و سیاحت اور حکّام سے ملاقات میں گزرنے لگا۔ آمدنی سے زیادہ خرچ ہونے لگا۔ شوق کی ہوا نے امریکہ کی جلتی ہوئی موم بتی کو آناً فاناً پگھلا کر بہا دیا۔ آہستہ آہستہ پورن مل کا سارا اثاثہ ختم ہو گیا۔

جس آگرہ میں پورن مل عیش و مسرت کے دن دیکھ چکا تھا، اس میں اس کو بُرے دن بھی دیکھنے پڑے۔ پورن مل نے سوچا اب آگرہ میں رہنا بے کار ہے۔ اس کو دوسرے شہر میں چل کر قسمت آزمائی کرنا چاہیے۔ یہ خیال کرکے وہ اپنے کیے پر پچھتاتا ہوا کانپور پہنچا۔ وہاں اس کو خبر ملی کہ ایک چمڑے کے کارخانے میں اس کے لائق کوئی آسامی خالی ہے۔ اس نے فوراً درخواست دے دی۔ کارخانہ کے منیجر نے ملاقات کے لیے دفتر میں طلب کیا۔ وقت پر پورن مل دفتر پہنچ گیا۔ صاحب نے بڑے غور سے پورن مل کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا کر دریافت کیا ''کیا آپ نے شکاگو کالج میں تعلیم پائی ہے؟''

پورن مل نے بڑے فخر سے جواب دیا ''جی ہاں! میں نے وہاں دو برس تعلیم پائی ہے اور خاص طور سے چمڑے کا کام سیکھا ہے۔''

صاحب فوراً کھڑے ہو گئے اور انھوں نے پورن مل کا ہاتھ تھام کر کہا ”کیا آپ آگرہ کے پورن مل سیٹھ ہیں؟ اپنے ہم مکتب دوست ہریش کو نہیں پہچانا؟“

پورن مل چونک اُٹھا۔اس کے سامنے وہی ہریش کھڑا تھا جس کو اس نے کبھی امریکہ کے کلب میں ایک دن بُری طرح پھٹکارا تھا۔شرم سے اس کا سر نیچا ہو گیا۔ ہریش مسکرانے لگا۔ اس نے بڑی عزّت سے پورن مل کو کرسی پر بٹھا کر پوچھا ”آپ نے تو کہا تھا کہ میرے والد بڑے رئیس اور مالدار ہیں۔ پھر آپ یہ چھوٹی نوکری کیوں کرنا چاہتے ہیں؟“

پورن مل پر سو گھڑے پانی پڑ گیا۔ زمین پھٹ جاتی تو وہ سما جاتا۔آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔اس نے غم انگیز لہجے میں جواب دیا ”بڑے بول کا سر نیچا، اس میں کوئی شک نہیں کہ میں رئیس زادہ ہوں لیکن آج شام کو میرے گھر میں کھانا کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔“

(اعظم کریوی)

مشق

لفظ و معنی

کوڑی	:	پرانے زمانے میں رائج پیسہ
حقارت	:	بے عزّتی، ذلّت
بیش قیمت	:	قیمتی
جیسا دیس ویسا بھیس	:	جس ملک میں رہے اس ملک کے طور طریقوں کی پابندی کرنا
ہتک	:	بے عزّتی
پدرم سلطان بود	:	میرا باپ سلطان تھا۔ اپنی شان جتانے اور فخر کے لیے بولتے ہیں
حسبِ منشا	:	مرضی کے مطابق
آناً فاناً	:	دیکھتے ہی دیکھتے
اثاثہ	:	دولت، سرمایہ

© NCERT not to be republished

ہم مکتب	:	ایک ہی مدرسہ کے پڑھے ہوئے
غم انگیز	:	دکھ بھرا، غمگین

سوالات

1۔ سیٹھ سرجومل کیسے آدمی تھے؟

2۔ پورن مل امریکہ پڑھنے کیوں گیا؟

3۔ ہندوستان اور امریکہ کی تہذیب میں کیا فرق ہے؟

4۔ ہریش اپنی بسر اوقات کیسے کرتا تھا؟

5۔ ہندوستان آنے کے بعد پورن مل پر کیا گزری؟

زبان وقواعد

☆ نیچے لکھے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

بڑے بول کا سر نیچا	جیسا دیس ویسا بھیس	سو گھڑے پانی پڑ جانا
سر نیچا ہونا	برے دن دیکھنا	

غور کرنے کی بات

''آپ کا سچا دوست وہ ہی ہے جو مصیبت کے وقت ساتھ دے۔''

''عملی زندگی سچائی اور حقیقت پر مبنی ہوتی ہے۔''

عملی کام

☆ اس کہانی کے مرکزی خیال کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

© NCERT not to be republished

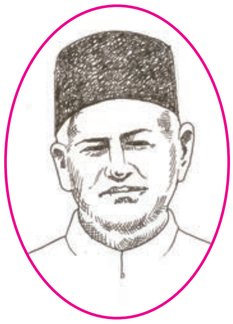

مرزا فرحت اللہ بیگ

(1884 – 1947)

مرزا فرحت اللہ بیگ دہلی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کرنے کے بعد ہندو کالج سے 1905 میں بی۔اے پاس کیا۔ 1907 میں وہ حیدر آباد گئے اور مختلف ملازمتوں پر مامور رہے اور ترقی کرتے کرتے اسسٹنٹ ہوم سکریٹری کے عہدے تک پہنچے۔ 1919 میں انھوں نے اپنا سب سے پہلا مضمون رسالہ ''افادہ'' آگرہ میں لکھا۔ اور 1923 سے باقاعدہ مضامین لکھنے لگے۔ انھوں نے تنقید، افسانہ، سوانح حیات، معاشرت اور اخلاق ہر موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھا اور اچھّا لکھا لیکن ان کے مزاحیہ مضامین سب سے زیادہ مشہور ہوئے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضامین سات جلدوں میں 'مضامینِ فرحت' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ نظم کا مجموعہ 'میری شاعری' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اس میں بھی مزاحیہ رنگ نمایاں ہے۔

ہنسنے اور ہنسانے کا کوئی اصول مقرّر نہیں ہوسکتا۔ تمام مزاح نگار اپنا انداز جدا رکھتے ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کا بھی ایک مخصوص رنگ ہے جسے عظمت اللہ بیگ نے ''خوش مذاقی'' کہا ہے۔ خوش مذاقی میں قہقہے کے مواقع کم اور تبسم کے زیادہ ملتے ہیں۔ ان کے یہاں ایسا انبساط ملتا ہے جسے دیر پا کہا جا سکتا ہے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کی مزاح نگاری میں دلّی کے روز مرہ اور محاورات کا لطف پایا جاتا ہے۔ وہ اکثر ایسے محاورات اور الفاظ اپنی تحریر میں لاتے ہیں جو دلّی کے لوگ گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون ان کی انھیں خصوصیات کا آئینہ دار ہے۔

© NCERT not to be republished

پھُول والوں کی سیر

یہ جڑوں ہی کی مضبوطی تھی کہ دلّی کا سرسبز وشاداب چمن اگر چہ حوادثِ زمانہ کے ہاتھوں پائمال ہو چکا تھا پھر بھی کسی بڑی سے بڑی طاقت کی ہمّت نہ ہوتی تھی کہ اس برائے نام بادشاہ کوتخت سے اُتار کر دلّی کو اپنی سلطنت میں شریک کرے۔دلّی کے بادشاہ کا اقتدار ضرور کم ہوگیا مگر جوعقیدت رعایا کوبادشاہ سے تھی اُس میں ذرّہ برابر فرق نہ آیا اور جومحبت بادشاہ کو رعایا سے تھی وہ جیسی کی ویسی رہی۔ رعایا کی وہ کون سی خوشی تھی جس میں بادشاہ حصّہ نہ لیتے ہوں اور بادشاہ کا وہ کون سا رنج تھا جس میں رعایا شریک نہ ہوتی ہو۔ بات یہ تھی کہ دونوں جانتے اور سمجھتے تھے کہ جو ہم ہیں وہ یہ ہیں اور جو یہ ہیں وہ ہم ہیں۔

اگر یہ دیکھنا ہو کہ اس زمانہ میں پھول والوں کی سیر کیسی ہوتی تھی تو ذرا آنکھیں بند کر لیجیے۔میں دکھائے دیتا ہوں۔

قلعہ والوں کی یہ حالت تھی کہ گویا شادی رچی ہوئی ہے۔چوڑی والیاں بیٹھی دھانی چوڑیاں پہنا رہی ہیں۔رنگریزنیں سُرخ دوپٹّے رنگ رہی ہیں۔کہیں مہندی پس رہی ہے۔کہیں کڑاہیاں نکالی جارہی ہیں۔کہاں کا کھانا اور کہاں کا سونا۔اسی گڑبڑ میں رات کے بارہ بجا دیے۔کوئی دو بجے ہوں گے کہ سواری کا بگل ہوا۔ قلعہ کے لاہوری دروازہ کے سامنے نوبت خانہ سے ملا ہوا جو میدان ہے۔اس میں سواریاں آلگیں۔ تین سوا تین بجے ہوں گے کہ پہلی رتھ روانہ ہوئی۔آگے آگے رتھیں اُن کے پیچھے دوسری سواریاں سب سے آخر میں نواب زینت محل کا سکھپال۔لاہوری دروازہ پر سواری پہنچی تھی کہ کپتان ڈگلس

قلعدار نے اتر کر سلامی دی۔ دروازہ کے باہر سے دگلہ پلٹن کا ایک پرا آگے ہولیا اور ایک پیچھے، شہزادیوں کی سواری کے ادھر ادھر قلمانیاں مردانہ لباس پہنے کھڑکی دار پگڑیاں باندھے، ساتوں ہتھیار سجائے ساتھ ہوئیں۔ بیگمات کی سواریوں کو ترکنوں کی پلٹنوں نے بیچ میں لیا۔ ان کا بھی مردانہ فوجی لباس، گورے گورے چہرے۔ شانوں پر کاکلیں پڑی ہوئیں۔ سر پر چھوٹا سا عمامہ، پہلو میں تلوار، ڈاب میں پیش قبض بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ ترکوں کی فوج دلّی میں گھس آئی ہے۔ نواب زینت محل کی سواری کا بڑا ٹھاٹ تھا۔

غرض سواری مبارک ان سڑکوں پر سے گزر کر دلّی دروازہ پہنچی۔ محافظوں نے سلامی دی اور جلوس سلطان جی کی سڑک پر پڑ لیا۔ سورج نکلنے سے پہلے پہلے سواری پرانے قلعہ پہنچ گئی۔ شیر شاہ کی مسجد کے سامنے ہوا دار رکھا گیا۔ بادشاہ سلامت نے مسجد میں نماز پڑھی۔ وظیفہ پڑھا۔ کوئی گھنٹہ آدھ گھنٹہ قیام کر کے یہاں سے سواری بڑھی اور ابھی دن پوری طرح نہ نکلا تھا کہ ہمایوں کے مقبرہ پہنچ گئی۔ درگاہ شریف قریب ہی ہے۔ تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ گئے۔ دلی والوں کو خاص اس درگاہ سے جو عقیدت ہے وہ بیان نہیں ہو سکتی۔ کسی قوم اور کسی ملّت کا آدمی نہیں جو اس چوکھٹ پر سر نہ جھکاتا ہو اور کوئی بدنصیب ہی ہوگا جو یہاں سے نامراد جاتا ہو۔

گرم گرم پکوان آرہا ہے، لوگ کھا رہے ہیں۔ جھؤلا جھؤل رہے ہیں۔ کوئی اندرسے کی گولیاں منہ میں دبائے ہے۔ کسی کے حلق میں بیسن کی پُھلکی پھنس گئی ہے۔ سانس رکا جاتا ہے۔ مینھ برس کر نکل گیا تھا۔ پھر بھی پانی کی بوندیں درختوں میں سے ٹپ ٹپ گر رہی تھیں۔ ادھر بوند کڑاہی میں گری۔ تیل اڑا۔ ادھر کسی کے منہ سے اوئی کی آواز نکلی۔ کسی کے ہاتھ پر چھینٹا پڑا۔ کوئی اوئی توبہ ہے، کہہ کر رہ گئی۔ کوئی کلّہ سہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ دوسروں نے پھر پکڑ یہ کہہ بٹھا لیا کہ واہ بوا، نوج کوئی ایسا نازک بن جائے۔ چھینٹا پڑتا ہی ہے۔ یوں کڑاہی چھوڑ کر کوئی نہیں اٹھ کھڑا ہوتا۔

مہرولی کے بازار کی کچھ نہ پوچھو۔ اس سرے سے اس سرے تک سارا آئینہ بند تھا۔ دنیا بھر کے سودے والوں کی دکانیں لگ گئی تھیں۔ میوے مٹھائیوں اور کھلونوں سے بازار پٹا پڑا تھا۔ ایک طرف حلوائیوں کے ہاں پوریاں کچوریاں، بیوڑیاں، سہال اور اندرسے تلے جا رہے تھے تو دوسری طرف کبابوں، پراٹھوں، بریانی، مزعفر، مُتنجن کی خوشبو سے سارا بازار بڑا مہک رہا تھا۔ گاہک کہ ٹوٹے پڑتے ہیں۔ لیا کھایا۔ پتّے وہیں پھینک آگے بڑھے۔ پنواڑن کی دکان پر پہنچے بی پنواڑن ہیں کہ بالوں میں تیل ڈالے کنگھی کیے، آنکھوں میں سرمہ لگائے، دانتوں میں مسّی ملے، بڑے ٹھاٹھ سے بیٹھی پان بنا رہی ہیں۔ یار لوگوں نے پان لیے، خود کھائے، دوسروں کو کھلائے۔ پیک تھوکی، آگے بڑھے۔ پھول والوں کی دکانوں سے گجرے لیے، گلے میں ڈالے۔ ساقی کے پاس ٹھہرے۔ ایک دو پیسے دیے۔ آگے قدم بڑھایا۔ ساقی کا رنگ بھی آج کچھ نیا ہے۔

غرض خلقت کا یہ ہجوم پھوار میں بھیگتا خس کے پنکھے جھلتا۔ آہستہ آہستہ مہرولی کی سڑک پر سے گزرا۔ یہ جلوس شاہی

دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ بادشاہ سلامت اوپر کی بارہ دری میں برآمد ہوئے۔ بیگمات کے لیے چلمنیں پڑ گئیں۔اب ساری بھیڑ سمٹ سمٹا کر بابِ ظفر کے سامنے آ گئی۔ پھاٹک کے سامنے بڑا کھُلا میدان تھا۔ یہاں باجے والوں نے اپنے کمال دکھائے۔ اکھاڑے والوں نے اپنے ہاتھ دکھائے۔سب کو حسبِ مراتب انعام ملا۔کسی کو سیلا ملا۔کسی کو دو شالہ ملا۔کسی کو مندیل ملی۔کسی کو کڑے ملے۔ اتنے میں پنکھا بھی سامنے آ گیا۔شہر کے شرفا اور امرا مجرا بجالائے۔ اوپر سے سارے مجمع پر گلاب پاشوں سے گلاب اور کیوڑہ چھڑ کا گیا۔عطر اور پان سے تواضع کی گئی۔ بادشاہ کے اشارہ کرتے ہی ولی عہد بہادر نیچے اتر آئے۔لوگوں کے گلے میں پھولوں کے کنٹھ ڈال کر سب کو رخصت کیا۔ یہاں سے سلاطین زادے اورشہزادے بھی جلوس کے ساتھ ساتھ ہو گئے۔ کوئی بارہ بجے ہوں گے کہ پنکھا جوگ مایا جی پہنچ گیا۔

خیر، درگاہ شریف تو قریب ہی تھی۔لوگ دس بجے پنکھا چڑھا کر فارغ ہو گئے اور یہاں سے نکل سیدھے شمسی تالاب پہنچے۔تھوڑی دیر میں بادشاہ سلامت کی سواری بھی آ گئی۔بیگمات کے لیے جہاز پر چلمنیں پڑ گئیں وہ اندر جا بیٹھیں۔بادشاہ سلامت نے مہتابی پر جلوس کیا۔مصاحبوں اور دہلی کے اکثر امرا و شرفا کو اوپر بلا لیا گیا۔ سارے سیلانی تالاب کے کنارے جم گئے۔ تالاب میں سینکڑوں کشتیاں، بجرے اور نواڑے پہلے ہی سے پڑ گئے تھے۔آدھوں میں شاہی آتش باز سوار ہو کر ایک طرف چلے گئے۔

آتش بازی کی چمک سے سارا تالاب اور کنارے روشن ہو جاتے تھے اور پانی میں روشنی کے عکس۔کشتیوں کے سائے، کناروں پر خلقت کے ہجوم، ان کے غُل۔آتش بازی کے عکس سے ان کے زرد زرد چہروں اور اوپر دھوؤں کے بادلوں نے ایک عجیب خوفناک منظر پیدا کر دیا تھا۔

غرض دو بجے کے قریب آتش بازی ختم ہوئی۔ بادشاہ سلامت کی طرف سے شال دو شالے، مندیلیں اور سیلے تقسیم ہوئے۔کہیں تین بجے جا کر لوگوں کو فرصت ہوئی۔سب اپنے اپنے ٹھکانوں پر جا پڑے۔ بادشاہ سلامت کی سواری رات ہی کو قطب سے نکل گئی اور روشن چراغ دہلی ہوتی ہوئی تیسرے پہر تک دہلی آ گئی۔دوسرے روز لوگوں نے صبح ہی صبح اٹھ میوے، مٹھائیاں، پراٹھے، چھلّے اور کھلونے خریدے۔ٹھنڈے ٹھنڈے نکل اپنے گھروں کا راستہ لیا۔شام تک مہرولی سنسان اور دہلی آباد ہو گئی۔

(مرزا فرحت اللہ بیگ)

مشق

لفظ و معنی

سرسبز	:	ہرا بھرا
چمن	:	باغ
حوادث	:	حادثے کی جمع
پائمال	:	پاؤں سے روندا ہوا
اقتدار	:	حکومت
نوبت خانہ	:	جہاں نوبت بجے
سکھپال	:	ایک قسم کی پالکی
پرا	:	فوج کی ٹکڑی
قلمانیاں	:	سپاہی پیشہ عورتوں کا ایک دستہ
کاکل	:	بال
ڈاب	:	کمربند
پیش قبض	:	خنجر، چھرا
ہوادار	:	ایک قسم کی سواری جسے کہار اٹھاتے ہیں
عقیدت	:	احترام
اندرسے	:	چاول اور تیل سے بنی مٹھائی
کلّہ	:	گال

© NCERT not to be republished

نوج	:	عورتوں کے روزمرہ میں شامل جس سے ناگواری کا اظہار ہوتا ہے۔
سہال	:	ایک قسم کی تلی ہوئی میٹھی روٹی
مزعفر	:	زعفرانی رنگ کا میٹھا پلاؤ
متنجن	:	میٹھا پلاؤ
ساقی	:	حقّہ پلانے والا
خلقت	:	مخلوق
خس	:	خوش بودار گھاس کی جڑ
بارہ دری	:	بارہ دروازوں والا مکان
چلمن	:	چق، تیلیوں کا بنا ہوا پردہ
سیلا	:	رومال
دوشالہ	:	بڑی اونی چادر
مندیل	:	میز پوش، رومال
گلاب پاش	:	وہ صراحی نما برتن جس میں عرقِ گلاب بھر کر چھڑکتے ہیں
کنٹھ	:	گلا
مہتابی	:	اونچا چبوترا
مصاحب	:	بادشاہ یا حکمراں کے خاص دوست
سیلانی	:	گشت کا شوقین
بجرے	:	(بجرا کی جمع) کشتی
نواڑے	:	ایک قسم کی کشتی
آتش باز	:	آتش بازی بنانے والا
چھلّے	:	چھلّا کی جمع، انگوٹھی

© NCERT not to be republished

سوالات

1۔ آخری مغل بادشاہ کے دور کی دلّی کی کیا خصوصیات تھیں؟
2۔ مصنف نے پھول والوں کی سیر کا کیا منظر پیش کیا ہے؟
3۔ مہرولی کے بازار کا کیا نقشہ تھا؟
4۔ جلوس نے بادشاہ سے کیا انعام پایا؟
5۔ مہرولی میں شاہی دروازہ پہنچ کر بابِ ظفر کا کیا منظر پیش کیا گیا ہے؟
6۔ جوگ مایا مندر اور درگاہ شریف کا پھول والوں کی سیر سے کیا خاص تعلق ہے؟
7۔ شمسی تالاب پر پھول والوں کی سیر کا کیا جشن ہوتا تھا؟

زبان وقواعد

☆ نیچے لکھے جملوں کی وضاحت کیجیے۔

- دلّی کے بادشاہ کا اقتدار ضرور کم ہوگیا مگر جو عقیدت رعایا کو بادشاہ سے تھی، اس میں ذرّہ برابر فرق نہ آیا۔
- مہرولی کے بازار کی کچھ نہ پوچھو۔ اس سرے سے اس سرے تک سارا آئینہ بند تھا۔ میوے مٹھائیوں اور کھلونوں سے بازار پٹا پڑا تھا۔ کبابوں، پراٹھوں، بریانی، مزعفر، متنجن سے سارا بازار مہک رہا تھا۔
- بادشاہ سلامت اوپر کی بارہ دری میں برآمد ہوئے۔ بیگمات کے لیے چلمنیں پڑ گئیں۔ اب ساری بھیڑ سمٹ سمٹا کر بابِ ظفر کے سامنے آ گئی۔
- بادشاہ سلامت نے مہتابی پر جلوس کیا۔ مصاحبوں اور دہلی کے اکثر امرا و شرفا کو اوپر بلایا گیا۔ سارے سیلانی تالاب کے کنارے جم گئے۔

☆ نیچے لکھے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

پائمال ہونا	آنکھیں بند کرنا	ٹھاٹ ہونا	سر جھکانا	نامراد جانا
آئینہ بند ہونا	پٹا پڑا ہونا	ٹوٹ پڑنا	مجرا بجالانا	

غور کرنے کی بات

مرزا فرحت اللہ بیگ دہلی کے رہنے والے تھے۔انھیں دہلی کی زبان پر قدرت حاصل تھی۔اس مضمون میں اس دور کی دلّی کی تہذیبی اور معاشرتی جھلکیاں اپنی بہار دکھاتی ہیں۔ بادشاہ اور رعایا کا باہمی ربط وتعلق اور محبت دیدنی تھی۔ پھول والوں کی سیر کا میلہ ہماری گنگا جمنی تہذیب کا نمونہ ہے۔یہ روایت آج تک زندہ ہے۔ہر سال پھول والوں کی سیر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ہماری تہذیبی روایت کا یہ تسلسل ہمیں قومی ، بھائی چارہ اور مساوات کا پیغام دیتا ہے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کا یہ مضمون تہذیبی اور تاریخی نوعیت کا حامل ہے جس میں اس دور کی دہلی کی زبان،روزمرّہ ،سیر و تفریح ، ماحول، ملبوسات،مشاغل کی تصویریں آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں اور گزرا ہوا زمانہ زندہ ہو جاتا ہے۔

عملی کام

☆ مصنف نے دلّی کی معاشرتی زندگی کی جن مختلف اشیا کا ذکر اس مضمون میں کیا ہے،انھیں اپنے الفاظ میں لکھیے۔

☆ موجودہ دور میں پھول والوں کی سیر کی کیا اہمیت ہے؟ مختصراً لکھیے۔

© NCERT not to be republished

ڈراما

ڈراما یونانی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں 'کرنا'۔ ادب میں یہ ایسی صنف ہے جس میں کرداروں ،مکالموں اور مناظر کے ذریعے کسی کہانی کو پیش کیا جاتا ہے۔ قدیم ہندوستان میں سنسکرت کا ویہ میں بھی اس کی روایت بہت مضبوط تھی اور اس کو ''ناٹیہ'' کہا جاتا تھا۔

ارسطو نے ڈرامے کو زندگی کی نقالی کہا ہے۔داستان، ناول اور افسانے کے مقابلے میں ڈراما اس لحاظ سے حقیقت سے قریب تر ہوتا ہے کہ اس میں الفاظ کے ساتھ ساتھ کردار، اُن کی بول چال اور زندگی کے مناظر بھی دیکھنے والوں کے سامنے آجاتے ہیں۔کرداروں کی ذہنی اور جذباتی کشمکش کو مکالمے اور آواز کے اُتار چڑھاؤ کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔ ڈراما بنیادی طور پر اسٹیج کی چیز ہے لیکن ایسے بھی ڈرامے لکھے گئے ہیں اور لکھے جاتے ہیں جو صرف سُنانے اور پڑھنے کے لیے ہوتے ہیں۔ ریڈیو کی وجہ سے ڈراموں کی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے اور ٹیلی وِژن پر جس طرح کے پروگرام سب سے زیادہ پیش کیے جاتے ہیں اُن کا تعلق کسی نہ کسی طرح ڈرامے ہی کی صنف سے ہوتا ہے۔

ارسطو نے ڈرامے کے اجزائے ترکیبی میں چھے چیزوں کو ضروری قرار دیا ہے۔قصہ، کردار، مکالمہ، خیال، آرائش اور سنگیت۔لیکن ضروری نہیں کہ ہر ڈرامے میں سنگیت یا موسیقی کا عنصر ہو۔ پلاٹ، کردار، مکالموں اور مرکزی خیال کا ہونا البتہ ضروری ہے۔ ڈرامے کی کامیابی کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں واقعات کی کڑیاں اس طرح ملائی جائیں کہ وہ نقطۂ عروج تک پہنچ سکیں اور ناظرین کی توجہ ایک نکتے یا خیال پر مرکوز ہو جائے۔اس کے بعد ڈراما انجام کی طرف بڑھتا ہے۔ واقعات سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے، وہ انجام کے ذریعے پیش کر دیا جاتا ہے۔حق و باطل اور خیر و شر کی کش مکش ،بنیادی انسانی اقدار اور سماجی، قومی وسیاسی مسائل کو ڈراموں میں پیش کیا جاتا ہے۔

اردو میں ڈرامے کا آغاز واجد علی شاہ کے زمانے میں ان کے ڈرامے ''رادھا کنھیّا'' سے ہوا۔ امانت کی ''اندرسبھا'' بھی اسی زمانے میں لکھی گئی جو بے حد مقبول ہوئی۔''اندرسبھا'' کے اثر سے بعد کے پارسی اردو تھیٹر میں بھی رقص وموسیقی کا خاصا زور رہا۔انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں اردو تھیٹر نے بہت ترقی کی اور آغا حشر کے ڈرامے بہت مشہور

ہوئے۔اس کے بعد امتیاز علی تاج، ڈاکٹر سیّد عابد حسین، پروفیسر محمد مجیب، اشتیاق حسین قریشی، فضل الرحمٰن، محمد حسن، حبیب تنویر، اور ابراہیم یوسف نے ڈراما نگاری پر خصوصی توجہ کی۔ کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی، ریوتی سرن شرما اور کرتار سنگھ دگّل نے بھی ریڈیائی ڈرامے لکھے اور ڈراما نگاری کی روایت کو مزید استحکام بخشا۔

© NCERT not to be republished

حبیب تنویر

(1923 – 2009)

حبیب تنویر کا اصل نام حبیب احمد خاں اور تنویر تخلص تھا۔ ادبی اور ثقافتی دنیا میں وہ حبیب تنویر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ناگ پور یونیورسٹی سے بی۔اے کرنے کے بعد آل انڈیا ریڈیو میں ملازم ہوگئے۔ ابتدا میں انھوں نے فلمی گیت اور مکالمے لکھے پھر قدسیہ زیدی کے ہندوستانی تھیٹر میں شامل ہوگئے۔ لندن اور جرمنی میں ڈرامے کی تکنیک پر مہارت حاصل کی۔

حبیب تنویر نے بہت سے اردو ڈرامے لکھے، جنھیں بہت سے مشرقی اور مغربی ملکوں میں اسٹیج کیا گیا۔ ان میں ''سات پیسے''، ''چرن داس چور''، ''ہرما کی کہانی''، ''آگرہ بازار''، ''شاجاپور کی شانتی بائی''، ''مٹی کی گاڑی'' اور ''میرے بعد'' بہت مشہور ہوئے۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ اپنے ڈراموں کے ذریعے انھوں نے چھتیس گڑھ کے لوک کلاکاروں کو قومی سطح پر روشناس کرایا۔

حبیب تنویر کو قومی اور بین الاقوامی سطح کے کئی اعزازات سے نوازا گیا ہے۔ حکومتِ فرانس نے ان کو اپنی سوانح لکھنے کے لیے اسکالرشپ دی تھی۔

ہندی، بنگالی، مراٹھی، اور یورپ کی کئی زبانوں میں ان کے ڈرامے ترجمہ ہوچکے ہیں۔

© NCERT not to be republished

5286CH11

آگرہ بازار

بازار کے لوگ (ڈرامے کے کردار)

پہلا فقیر
دوسرا فقیر
ککڑی والا
تربوز والا
کُتب فروش
برتن والا
پتنگ والا
ریچھ والا
برف والا
کان کا میل صاف کرنے والا
لڈّو والا
پان والا
داروغہ

پہلا سپاہی
دوسرا سپاہی
بے نظیر
شہدا
پنساری
مداری
شاعر
ہمجولی
کتاب کا گاہک
اجنبی
لڑکا
لڑکی (نظیر کی نواسی)
راہ گیر، ٹولی اور بچے وغیرہ

© NCERT not to be republished

پہلا ایکٹ

(دوفقیر ''شہرآشوب'' گاتے ہوئے ہال کے اندر داخل ہوکر اسٹیج پر جاتے ہیں۔ ایک ہاتھ میں کشکول اور تسبیح اور دوسرے میں ایک ڈنڈا اور لوہے کے کڑے لیے ہوئے پردے کے سامنے کھڑے ہوکر نظم سناتے ہیں اور تال پر کڑے بجاتے جاتے ہیں۔)

جتنے ہیں آج آگرے میں کارخانہ جات — سب پر پڑی ہے آن کے روزی کی مشکلات
کس کس کے دکھ کو روئیے، اور کس کی کہیے بات — روزی کے اب درخت کا ہلتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آکے ہوئی ایک بار بند

(نظم پڑھتے ہوئے اسٹیج کے باہر چلے جاتے ہیں اور ساتھ ہی پردہ بڑی تیزی سے اُٹھتا ہے۔ بازار پر عجیب بے رونقی ہے۔ تل کے لڈّو والا اور دوسرے پھیری والے آواز لگاتے ہیں۔ لیکن کہیں سنوائی نہیں ہوتی۔ پس منظر میں ایک نسوانی آواز طبلے اور سارنگی پر گا رہی ہے۔ (پان کی دوکان کے اوپر کوٹھے آباد ہیں۔) پتنگ والے کی دوکان بند ہے۔ کتب فروش کے یہاں دو ایک گاہک کتابیں دیکھ رہے ہیں۔ ککڑی والا یہاں آکر ککڑی بیچنے کی کوشش کرتا ہے۔ گاہک کتاب کی دوکان سے نکل کر پان والے کے یہاں پہنچ جاتے ہیں اور کتب فروش اپنے حساب کتاب میں لگ جاتا ہے۔)

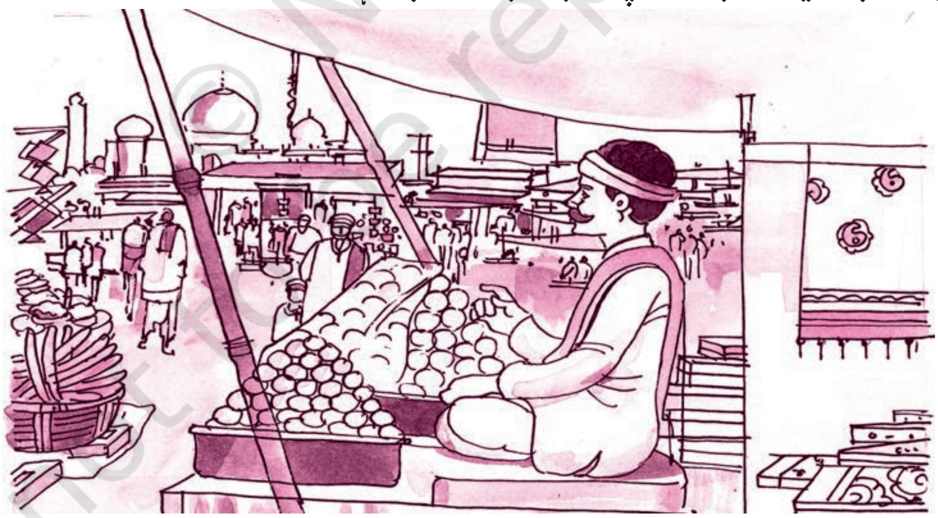

لڈّو والا : دھیلے کے چھ چھ، بابو جی دھیلے کے چھ چھ، ہم سے مندا کوئی نہ بیچے، کھاکے دیکھو میاں، تل کے لڈّو، مصری کے سمان میٹھے۔

تربوز والا : تربوز، ٹھنڈا تربوز، دل کی گرمی نکالنے والا، جگر کی پیاس بجھانے والا، ٹھنڈا تربوز

(راہ گیر بے نیازی سے گزر جاتے ہیں)

ککڑی والا: تازہ ککڑیاں، ہاں ہاں تازہ ککڑیاں۔ کُرکری، ہری بھری، دمڑی کی چار۔

کان کا میل صاف کرنے والا: دانت کرید و کان کا میل نکالو، ایک چھدام میں دو کام۔

پان والا : آؤ بابو جی۔ پان کھاؤ، منہ رچاؤ۔ الا ئچیاں کتر ڈالی ہیں الا ئچیاں۔

(کچھ لوگ داخل ہوتے ہیں۔ ککڑی والا آواز لگا کر ان کی طرف بڑھتا ہے اور ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اتنے میں ایک مداری دائیں طرف بندر لیے ہوئے داخل ہوتا ہے اور اپنے تماشے سے عجب رنگ جما دیتا ہے۔ پھیری والے، بچّے لڑکے اور راستہ چلنے والے سب اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔)

مداری : (بندر نچاتا ہے) ہاں جرا ناچ دکھا دو ناچ۔ آگرہ سہر میں ناچ دکھا دو۔ بچہ لوگ ایک ہاتھ کی تالی بجاؤ۔ اچھا جرا بتاؤ تو ہولی میں مردنگ کیسے بجاؤ گے (بندر مردنگ بجاتا ہے) اور پتنگ کیسے اڑاؤ گے۔ (بندر نقل کرتا ہے) اور بانکے بن کر مہادیو جی کے میلے میں کیسے جاؤ گے؟ (بندر کج کُلاہی کی چال چلتا ہے) اور برسات آ گیا تو؟ (بندر پھسل پڑتا ہے) ارے بھئی واہ اور اگر ٹھنڈی لگا تو؟ (بندر بدن میں کپکپی پیدا کرتا ہے) اور بڈھا ہو گیا تو؟ (بندر لاٹھی ٹیک کر چلتا ہے) اور مر گیا تو؟ (بندر لیٹ جاتا ہے) ہندو کو رام کی کسم اور مسلمان کو قرآن کی کسم۔ جرا ایک ایک قدم پیچھے ہٹ جاؤ۔ اچھا اب بتاؤ نادر ساہ دلی پر کیسے جھپٹا تھا۔ (بندر مداری کو ایک لاٹھی مارتا ہے) ارے تم سارے دلی سہر کو مار ڈالو گے بس کرو بڑے میاں بس کرو۔ اچھا احمد ساہ ابدالی دلی پر کیسا جھپٹا تھا۔ (بندر لاٹھی مارتا ہے) ہاں ہاں ہاں تم سارے ہندوستان کو روند ڈالو گے بڑے میاں بس کرو۔ اور سورج مل جاٹ آگرہ سہر پر کیسا جھپٹا تھا؟ (وہی نقل) اوہو مر گیا، مر گیا بس کرو بڑے میاں بس کرو۔ اچھا بتاؤ پھرنگی ہندوستان میں کیسا آیا تھا (بندر بھیک مانگنے کی نقل کرتا ہے) اور پلاسی کی لڑائی میں لاٹ صاحب نے کیا کِیا تھا؟ (بندر پیٹ بجاتا ہے اور کمزوری کا اظہار کرتا ہے) اکال پڑ گیا تھا (بندر لیٹ جاتا ہے) لوگ باگ بھوک سے مر گیا تھا۔ اور ہمارا کیسا حالت ہے؟ (بندر پھر پیٹ بجاتا ہے) اور کل ہمارا کیسا حالت ہو جائے گا؟ (بندر گِر جاتا ہے) پھر ہمارے کو کیا کرنا چاہیے؟ (بندر لوگوں کے پاس جاتا ہے پیروں پر سر رکھ کر لیٹ جاتا ہے) سلام کرو (بندر پھر سلام کرتا ہے۔ لوگ کھسکنے لگتے ہیں)

ککڑی والا: تازہ ککڑیاں۔ ہاں ہاں تازہ ککڑیاں۔ (مداری غصّے میں جھپٹتا ہے اور ککڑی والے کے ہاتھ سے ٹوکرا چھین کر پھینک

دیتا ہے۔ککڑیاں سڑک پر بکھر جاتی ہیں)

(سب اپنے اپنے خونچے چھوڑ کر جھگڑے میں لگ گئے ہیں۔موقع غنیمت پا کر کچھ اُچکّے اور بازار کے لونڈے ریوڑیاں، ککڑیاں، لڈو وغیرہ لوٹنا شروع کر دیتے ہیں اس سے فساد اور بڑھتا ہے۔کمہار کے ایک دو برتن ٹوٹ جاتے ہیں لوگ اپنی اپنی دوکانیں بند کر لیتے ہیں۔فقیر گاتے ہوئے اندر آتے ہیں)

کیسا ہی آدمی ہو پر افلاس کے طفیل — کوئی گدھا کہے اسے، کوئی ٹھہراوے بیل
کپڑے پھٹے تمام، بڑھے بال پھیل پھیل — منہ خشک، دانت زرد، بدن پر جما ہے میل
سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مفلسی

برتن والا : ایسے لڑے کہ خوب لڑے خوب ہی لڑے۔ابے میں نے تم لوگوں کا کیا بگاڑا تھا۔ایک تو مندا بازار اوپر سے ٹوٹا۔ میری دو ٹھلیاں پھوڑ دیں۔

ککڑی والا: یہاں تو دیوالہ نکل گیا۔کل بارش میں ککڑیاں برباد ہوگئیں اور آج چار آنے کا ادھار مال لے کر آیا تھا جس میں آدھا صاف۔

لڈّو والا : ابے کالیے تو نے ہی جھگڑا شروع کیا تھا۔بس اب چُپکا بیٹھا رہ۔

تربوز والا: بس اب پھر سے چھیڑ خانی مت نکالو۔نہیں تو نہ تمھارے پاس ایک لڈّو بچے گا نہ میرے پاس ایک تربوز۔

ککڑی والا: (ایک شہدے کو گزرتا دیکھ کر) میاں!

شہدا : کیا ہے میاں؟

ککڑی والا: کیا آپ شاعری کرتے ہیں؟

شہدا : ابھی تک تو توفیق نہیں ہوئی۔مگر آپ کو مطلب؟

ککڑی والا: یوں ہی!

شہدا : عجب پاگلوں سے سابقہ پڑتا ہے۔(چلا جاتا ہے)

شاعر : (ہمجولی کے ساتھ آتے آتے رک کر) کہتے ہیں اور کیا خوب کہتے ہیں۔ے

نہ مل میرؔ اب کے امیروں سے تو
ہوئے ہیں فقیر اُن کی دولت سے ہم

© NCERT not to be republished

ہمجولی : سبحان اللہ!

ککڑی والا: (پاس جاکر) سبحان اللہ۔ میری بھی ایک چھوٹی سی غرض ہے......

شاعر : اماں کیا بات ہے؟

ککڑی والا: اگر آپ دو چار شعر میری ککڑیوں پر لکھ دیتے تو میں آپ کا بڑا احسان مانتا۔

(شاعر قہقہہ لگاتا ہے)

شاعر : ارے بھئی ہماری کیا حقیقت ہے کہو تو کسی استاد سے لکھوادیں۔

ہمجولی : کیا بات ہے؟

شاعر : کہتے ہیں ہماری ککڑیوں پر دو چار شعر لکھ دیجیے۔ میں نے عرض کیا کہ کہو تو استاد سے کہہ کر اس نایاب موضوع پر ایک نظم لکھوادوں۔

ککڑی والا: اتنے بڑے شاعر بھلا وہ سڑی سی ککڑی پر کیا شعر کہیں گے؟

شاعر : بھئی صاف بات یہ ہے کہ ککڑی جیسے حسین موضوع پر جب تک کوئی پایے کا شاعر زور آزمائی نہ کرے حق ادا نہ ہوگا اور ہم ٹھہرے نومشق، اس لیے ہمارے بس کا تو یہ روگ ہے نہیں۔ (ہنستے ہوئے دونوں کتب فروش کی دوکان کی طرف بڑھ جاتے ہیں)

تربوز والا: (دائیں طرف سے لڈّو والے کے پاس جاکر) یہ ککڑی پر شعر لکھوانا چاہتے ہیں کسی شاعر سے۔

لڈو والا: ارے تو وہی شعر کیوں نہیں یاد کرلیتا جو مداری نے کہا تھا۔ کھالو ککڑی وکڑی نہیں تو دوں گا لکڑی۔

تربوز والا: ہاں اور کیا۔ (دونوں ہنستے ہیں)

تربوز والا: (کتب فروش کی دوکان پر ایک کتاب دیکھتے ہوئے) ملاحظہ کیجیے کہتے ہیں ؎

دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انھیں
تھا کل تلک دماغ جنھیں تخت و تاج کا

کتب فروش: (اپنی مسند پر بیٹھتے ہوئے) واہ واہ سبحان اللہ...... سنا ہے جُنوں کے دورے پڑنے لگے ہیں ان دنوں میؔر صاحب پر؟

شاعر : دم غنیمت سمجھیے۔ اسّی سے اوپر ہونے کو آئی۔

ہمجولی : پھر کیا کیا زمانے دیکھے ہیں میؔر صاحب نے۔ اسی شہر میں عزیزوں کی بے وفائی دیکھی۔ گھر چھوڑا، وطن چھوڑا، دلی

چھوڑی، در در کی خاک چھانی، ایرانیوں اور تورانیوں کے حملے دیکھے۔ افغانوں، روہیلوں، راجپوتوں، جاٹوں اور مراٹھوں کی دَست بُرد دیکھی۔ دیکھا کہ دلی کی گلیوں میں خون کے دریا رواں ہیں اور انسانوں کے سرکٹوروں کی طرح تیر رہے ہیں۔ اپنا گھر آنکھوں کے سامنے لُٹتے دیکھا۔ ع

گھر جلا سامنے ایسا کہ بجھایا نہ گیا

یہ سب دیکھا۔ اب لکھنؤ میں گوشہ گیر ہیں اور فرنگیوں کی غارت گری دیکھ رہے ہیں۔

کتب فروش: سچ کہتے ہو بھائی، عجب گردشوں کا زمانہ ہے۔ مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سلطنتِ مغلیہ نہیں ہے ایک زبردست قوی ہیکل شیر ببر ہے جس پر سینکڑوں کُتّے بِلّیوں نے حملہ کردیا ہے اور اسے زخموں سے چور اور لاچار دیکھ کر آسمان سے چیل اور گدھ بھی جمع ہوگئے ہیں اور ٹھونگیں مار مار کر اس کی تِکّا بوٹی کررہے ہیں اور وہ شیر ہے کہ نہ تو اسے کراہنے کی مہلت ہے نہ مرجانے کا یارا۔

شاعر : بھئی بہت خوب مولوی صاحب۔ یہ زبان اور یہ اندازِ گفتگو! ہم تو نام کے شاعر ہیں۔ آپ تو بات بات میں شاعری کرتے ہیں۔

کتب فروش: آپ حضرات کی صحبت کا نتیجہ ہے اور کیا۔

ہجولی : (شاعر سے) آپ کا دیوان تو اب مکمل ہوگیا ہوگا؟

شاعر : صاحب! شاعر کا کلام اس کی زندگی کے ساتھ ہی تکمیل کو پہنچتا ہے۔ بہرحال اتنے شعر ضرور ہوگئے ہیں کہ کتابی صورت میں آجائیں۔

کتب فروش: لیجیے اور آپ نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔

شاعر : گھر کی بات تھی، سوچا کسی بھی وقت مسوّدہ آپ کے سپرد کردوں گا کہ جو جی میں آئے کیجیے۔

کتب فروش: غضب نہ کیجیے صاحب۔ مسوّدہ کل ہی میرے یہاں پہنچادیجیے۔

شہدا : اے دل آرام، جے سیتا رام۔

بے نظیر : (مسکرا کر) کیا چاہتے ہو؟

شہدا : عرضِ حال۔

بے نظیر : فرماؤ۔

شہدا : سری رام چندر نے لنکا فتح کیا اور تمھارے سورما حسن نے میرے دل کا گڑھ۔

بے نظیر : اس بات کا گواہ؟

شہدا : ہنومان! (حسینہ ہنس دیتی ہے اور دونوں ساتھ باتیں کرتے ہوئے نکل جاتے ہیں) اے چھیل چھبیلی رنگ رنگیلی گانٹھ گٹھیلی تجھے کس نام سے پکاریں؟

بے نظیر : لونڈی کو بے نظیر کہتے ہیں۔ کیا میں جناب کا اسمِ شریف دریافت کرسکتی ہوں؟

شہدا : مجھے بدرِ منیر کہتے ہیں۔ اور رہنے والی تم کہاں کی ہو؟

بے نظیر : میں حُسن پورہ کی رہنے والی ہوں اور سرکار؟

شہدا : یہ ناچیز عشق نگر میں رہتا ہے۔

شہدا : اے گل اندام، دل آرام، پری زاد صنم، باقاعدہ تعارف تو ہو چکا اب کچھ سنادو۔

بے نظیر : جو حکم: کہیے کیا سناؤں؟

شہدا : صورت کی بے نظیر ہو آواز کی بھی بے نظیر ہوگی۔ کچھ بھی سناؤ کچھ پھڑکتی ہوئی آپ بیتی سناؤ تو کیسی رہے؟

بے نظیر : (ہنستے ہوئے) اچھا تو میاں نظیر کی ایک چیز سنیے۔ میری آپ بیتی سمجھ کر ہی سنیے گا اور یہ کچھ غلط بھی نہیں۔

(گانے کے دوران داروغہ بھی آ کر بیٹھ جاتا ہے۔ بے نظیر اشارے سے سلام کرتی ہے۔ داروغہ "جیتی رہو" کہہ کر بیٹھ جاتا ہے)

شہدا : واہ وا! کیسی اچھی آپ بیتی سنائی ہے۔ یہ میاں نظیر بھی عجیب کرشموں کے آدمی ہیں۔ کیا آپ کے یہاں ان کا آنا جانا ہے؟

بے نظیر : جی ہاں، لیکن ادھر ایک مدّت سے تشریف نہیں لائے۔ کیا آپ کی ان سے ملاقات ہے؟

شہدا : نہیں صاحب۔ پر ان کی یہ چیز سن کر ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی ہے۔ خیر اس وقت تو آپ کی ملاقات کے آگے ساری دنیا ہمارے لیے ہیچ ہے۔

(لوگ اشارہ پاکر اٹھ رہے ہیں۔ داروغہ بے نظیر کو ایک طرف بلاتا ہے)

داروغہ : ذرا ایک بات سنو۔ کیا اندر جانے کی اجازت نہیں؟

بے نظیر : سر آنکھوں پر۔ لیکن اس وقت میری طبیعت ناساز ہے۔

© NCERT not to be republished

شہدا : اچھّا خدا حافظ۔

داروغہ : خدا حافظ۔

بے نظیر : آداب۔

(داروغہ نیچے اتر جاتا ہے)

شہدا : (اندر مڑتے ہوئے) عجب چونچ ہے!

بے نظیر : جانتے نہیں شہر کا داروغہ ہے۔ آپ بھی کمال کرتے ہیں۔

شہدا : داروغہ ہے تو کیا مجھے گھول کے پی جائے گا۔

بے نظیر : اچھا بس اب آئیے (دونوں اندر چلے جاتے ہیں)

داروغہ : (ککڑی والے کے پاس آکے) اتنی دیر کہاں رہا تو؟

ککڑی والا: پھیری پر تھا حضور۔

داروغہ : تم لوگ شہدے پن پر اتر آئے ہو؟

ککڑی والا: سرکار میرا کوئی قصور نہیں۔ وہ لڈّو والا مجھے مارنے کے لیے کھڑا ہو گیا تھا۔

داروغہ : میرے آدمی تحقیق کر رہے ہیں کہ جھگڑے کی بنیاد کون آدمی تھا۔

ککڑی والا: داروغہ جی سیرے سے کچھ نہیں بیچا ہے سونے سے پہلے چھدام دو چھدام کی ککڑی بک گئی تو روزی۔ نہیں تو روزہ۔

(داروغہ چلا جاتا ہے)

(فقیر گاتے ہوئے آتے ہیں)

پیسا جو ہو تو دیو کی گردن کو باندھ لائے
پیسا نہ ہو، تو مکڑی کے جالے سے خوف کھائے
پیسے سے لالا، بھیا جی اور چودھری کہائے
بن پیسے، ساہوکار بھی ایک چور سا دکھائے
پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی، چرخے کی مال ہے

(ککڑی والا اس نظم کے دوران اندر آتا ہے اور پیچھے کھڑے ہوکر بہت غور سے نظم سنتا ہے)

ککڑی والا: (بڑی حسرت سے) میری ککڑی پر کوئی نظم نہیں لکھ دیتا۔

(فقیر گاتے ہوئے واپس آتے ہیں۔ککڑی والا باہر جانے لگتا ہے، پھر اندر آتا ہے اور آواز لگاتا ہے مگر فقیر نکل جاتے ہیں۔ککڑی والا سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔فقیروں کا گانا اب تک فضاؤں میں گونج رہا ہے کہ پردہ تیزی سے گر جاتا ہے)

(پردہ)

دوسرا ایکٹ

(پردہ کھلنے سے پہلے فقیر اسی طرح ہال میں سے گزر کر پردے کے سامنے کھڑے ''بنجارا نامہ'' سناتے ہیں)

(فقیر چلے جاتے ہیں)

ٹک حرص و ہوس کو چھوڑ میاں، مت دیس بدیس پھرے مارا
قزّاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجاکر نقّارا
کیا بدھیا، بھینسا، بیل، شتُر، کیا گوئیں، پلّا، سَر بھارا
کیا گیہوں، چاول، موٹھ، مٹر، کیا آگ، دھواں، کیا انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

(صبح ہو رہی ہے کچھ دکاندار آچکے ہیں کچھ ابھی دکانیں کھول رہے ہیں۔پھیری والے آوازیں لگا رہے ہیں)

ککڑی والا: آج صبح ہی صبح سپاہی بازار میں کیوں چکر لگا رہے ہیں بے؟

تربوز والا: کہاں؟ ہم نے تو کوئی سپاہی نہیں دیکھا۔

لڈو والا: ابے کالیے تجھے پکڑنے کے لیے آئے ہوں گے۔

(شاعر اور ہمجولی کتب فروش کی دوکان پر آتے ہیں)

ککڑی والا: ابے آنے دے تجھے کیا پڑی ہے۔ میں تو کہتا ہوں اچھا ہے پکڑ لے جائیں پیٹ پر پتھر باندھے دن بھر ٹانگے توڑتا

رہتا ہوں۔ اس سے اچھا ہے حوالات میں بیٹھو، آرام سے کھاؤ، موج کرو، جلنے والے جلا کریں۔

(پتنگ والا طوطے کا پنجرا ہاتھ میں لیے گنگناتا ہوا آتا ہے اور دوکان کھولتا ہے)

پتنگ والا: مبارک ہو راموں، سنا ہے تیرے یہاں لڑکا ہوا اور خوب ڈھولک بجی۔

برتن والا: ارے بھیّا تم کہاں چلے گئے تھے؟

پتنگ والا: میں گیا تھا میاں نظیر کے ساتھ تیراکی کا میلہ دیکھنے۔ واپس آتا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ دکان کا جرمانہ ہو گیا ہے۔ اماں یار یہ بیٹھے بٹھائے اچھی چپت پڑی۔

برتن والا: تم کہہ دینا میری دوکان تو بند تھی۔ گواہ موجود ہیں۔ میں گواہی دے دوں گا۔

پتنگ والا: کون سنتا ہے تمھاری داد وفریاد۔

(ایک لڑکا داخل ہوتا ہے اور پتنگ کی دوکان پر جاتا ہے)

لڑکا: کل کہاں غائب ہو گئے تھے؟

پتنگ والا: صاحب! ذرا تیراکی کا میلہ دیکھنے چلے گئے تھے۔

لڑکا: ہم یہ سمجھے، بس پتنگ وتنگ بیچنا چھوڑ دیا آپ نے۔

پتنگ والا: پتنگ بازی اور پتنگ فروشی ہم سے چھوٹ جائے، اجی توبہ کیجیے۔ کہیے کون سی پتنگ چاہیے۔ ہر رنگ، ہر نوع، ہر بہار، ہر مذاق کی پتنگیں موجود ہیں۔ حضور! کون سی پتنگ لیجیے گا۔ دو دھاریا، گلہریا، پہاڑیا، دوباز، لل پُرا، گھائل، لنگوٹیا، بُگلا، دوپنا، دھیر، تربوزیا، پینڈی پان، دوکونیا، گل سرا، ککڑی، چوگھڑا، باجرا، کج کلا، چچکا، تکّل مانگ دار......!

لڑکا: بس بھئی نام تک نہیں سنے ان پتنگوں کے اپنی زندگی میں۔

پتنگ والا: پھر کیا پتنگ اڑاتے ہیں آپ؟

لڑکا: اڑا لیتے ہیں تھوڑی بہت۔ آپ تو ہمیں سیدھا سادہ دودھاریا دے دیجیے۔

پتنگ والا: دودھاریا لیجیے۔

لڑکا: دام؟

پتنگ والا: پچیس کوڑی۔

لڑکا: یہ لیجیے۔

© NCERT not to be republished

(لڑکا پتنگ لے کر باہر نکل جاتا ہے)

(ایک فقیر ہری کفنی پہنے کھڑا ہے اور رو رہا ہے۔ پتنگ والا اسے پہچان کر اس کی طرف لپکتا ہے)

پتنگ والا: ارے کون منظور حسین؟ کیا حال ہے؟ (فقیر چپ کھڑا رہتا ہے)

ایک آدمی: ان کو ہم نے تو کبھی بات کرتے سنا نہیں۔

بنی پرشاد: (آگے بڑھ کر) تمھیں نہیں معلوم۔ کوئی ایک برس سے ان کا یہی حال ہے۔

(میاں نظیر کی نواسی اچھلتی کودتی گنگناتی داخل ہوتی ہے)

پتنگ والا: ارے بیٹا!

نواسی : ابھی آئی۔ (یہ کہہ کر دوسری طرف نکل جاتی ہے۔ سپاہی جو وہیں کھڑے نظمیں سن رہے تھے اور بار بار مُڑ کر اوپر کوٹھے کی طرف نگاہیں پھینک رہے تھے پان کی دوکان پر آتے ہیں)

(مداری ریچھ لیے داخل ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے بچّے ہیں۔ ریچھ کا ناچ ہوتا ہے)

مداری : ''جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچّہ''

(مداری چلا جاتا ہے۔ نظیر کی نواسی ایک کھلونا لیے نظر آتی ہے۔ پتنگ والا اس کی طرف بڑھتا ہے اور اسے کھینچ کر اپنی دوکان پر لاتا ہے۔)

نواسی : (کھلونا دکھاتے ہوئے) میں یہ لینے گئی تھی۔

پتنگ والا: نانا سے پیسے چَٹ لیے ہوں گے۔ کیوں؟

نواسی : نہیں تو۔

پتنگ والا: پھر کیا مفت ہاتھ آ گیا کھلونا؟

نواسی : گھر میں پڑے تھے۔

پتنگ والا: گھر میں کیا پڑے تھے؟

نواسی : میں بتاؤں؟ ہمارے نانا پیسے کو ہاتھ نہیں لگاتے۔

پتنگ والا: اور تم نے اٹھا لیا۔

نواسی : سب تھوڑا ہی۔ (اچھل کر بھاگ جاتی ہے پتنگ والا ہنستا ہے)

© NCERT not to be republished

پتنگ والا: (ہنسی سے) حال ہی کا واقعہ ہے روپوں کی تھیلی لیے نواب سعادت علی خاں کے پاس سے آدمی آیا۔ رات بھر روپیہ گھر میں پڑا رہا اور روپے کی وجہ سے میاں نظیرؔ کو نیند نہ آئی۔ صبح کو جواب میں کہلا بھیجا کہ ذرا سے تعلق سے تو یہ حال ہے اگر زندگی بھر کا ساتھ ہوگیا تو نہ جانے کیا ہوگا۔ بلاوے بہت آئے پر میرا یار آگرے سے نہ ٹلا۔ ہر بار یہ کہہ کر ٹال گیا کہ میں ماشہ بھر کا قلم چلانے والا میری کیا مجال۔ بس یہیں بیٹھے ساری دنیا دیکھ لی کہتے ہیں۔ (آواز اٹھا کر)

سب کتابوں کے کھل گئے معنی
جب سے دیکھی نظیرؔ دل کی کتاب

(فقیر ''آدمی نامہ'' گاتے ہوئے اندر آتے ہیں۔ اس نظم میں اسٹیج کے سب لوگ شامل ہوجاتے ہیں۔ ہر بند ایک نیا آدمی اٹھاتا ہے اور ٹیپ کی طرح پر سب ایک ساتھ تین بار دہراتے ہیں ''زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی'')

دنیا میں بادشاہ ہے، سو ہے وہ بھی آدمی　　اور مفلس و گدا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
زردار، بے نوا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی　　نعمت جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں　　بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قُرآں اور نماز یاں　　اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی　　اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اتارے ہے آدمی　　چلا کہ آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا　　کہتا ہے کوئی، لو، کوئی کہتا ہے، لارے لا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا　　کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

© NCERT not to be republished

مرتے ہیں آدمی کا کفن کرتے ہیں تیار　　　نہلا دھلا اٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں، روتے ہیں زارزار　　　سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کا کاروبار
اور وہ جو مرگیا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
اشراف اور کمینے سے لے، شاہ تا وزیر　　　ہیں آدمی ہی صاحبِ عزّت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید ہیں، اور آدمی ہی پیر　　　اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیرؔ
اور سب میں جو بُرا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

(گانے والوں کی آواز اور سازوں کی صدا یکبارگی بہت اونچی اٹھتی ہے اور بہت تیزی سے پردہ گر جاتا ہے)

پردہ

(حبیب تنویر)

مشق

لفظ و معنی

شہر آشوب	:	شہر کی تباہی کو بیان کرنے والی شاعری
کشکول	:	مانگنے کا پیالہ خصوصاً فقیروں کا
پس منظر	:	اصل سے پیچھے کا منظر
نسوانی	:	عورت کی
دھیلا	:	آدھا پیسہ
راہ گیر	:	راہ چلنے والا

© NCERT not to be republished

بے نیازی	:	دل چسپی نہ لینا
چھدام	:	دمڑی
مردنگ	:	ایک قسم کا باجا
کج کلاہی	:	ٹیڑھی ٹوپی مراد روایت سے بغاوت
افلاس	:	غریبی
طفیل	:	متعلق
مُفلسی	:	غریبی
شُہدا	:	غیر مہذّب شخص، لُچّا، آوارہ
سابقہ	:	پہلے کا، واسطہ
نایاب	:	بہت قیمتی، جو مل نہ سکے
زور آزمائی	:	طاقت یا صلاحیت کا آزمانہ
نومشق	:	نیا، کوشش کرنے والا
ملاحظہ	:	دیکھیے
مسند	:	تکیہ لگا کر بیٹھنے کی جگہ
دست برد	:	لوٹ کھسوٹ، لوٹ مار
گوشہ گیر	:	تنہائی پسند
غارت گری	:	تباہی، بربادی
قوی ہیکل	:	طاقت ور، بھاری بھرکم
ٹھونگیں مارنا	:	بیچ کی انگلی دوہری کرکے مارنا
مکمّل	:	پورا
تکمیل	:	مکمل
تکّا بوٹی	:	ٹکڑے ٹکڑے

© NCERT not to be republished

مسوّدہ	:	چھپنے کے لیے تیار کتاب
قشقہ	:	تِلک
گل اندام	:	پھول سے جسم والا،محبوب
بدرِمنیر	:	مثنوی سحرالبیان کی ہیروئن
ہیچ	:	کم تر، نیچا
تحقیق	:	سچ کی تلاش
ٹک	:	ذرا
حِرص	:	لالچ
قزّاق	:	لٹیرا
اجل	:	موت
نوع	:	طرح،قسم
مذاق	:	شوق،پسند
کفنی	:	سبز رنگ کا ایک چھوٹا کپڑا
ماشہ	:	تولنے کا ایک پیمانہ
زردار	:	سونا رکھنے والا مُرادامیر
بےنوا	:	جس کی آواز نہ ہو یعنی غریب
تیغ	:	تلوار
زارزار رونا	:	خوب آنسو بھر کے رونا
مرید	:	کسی بزرگ یا صوفی کو ماننے والا
اشراف	:	شریف کی جمع
پیر	:	بزرگ،صوفی
یک بارگی	:	ایک بار

© NCERT not to be republished

سوالات

1۔ ڈرامے کے پہلے ایکٹ میں بازار کی بے رونقی کا کیا منظر اسٹیج کیا گیا ہے؟
2۔ آگرہ بازار سے لوگ بے نیازی سے کیوں گزر جاتے ہیں؟
3۔ بندر لیے مداری نے اپنے تماشے سے کیا رنگ جمایا؟
4۔ بازار میں جھگڑے کا کیا نقشہ پیش کیا گیا ہے؟
5۔ ہمجولی نے میر صاحب کے بارے میں کیا بتایا؟
6۔ کتب فروش نے سلطنت مغلیہ کے بارے میں کیا خیال پیش کیا؟
7۔ روپیے، پیسے سے متعلق نظیر کی کیا بے نیازی بیان کی گئی ہے؟

زبان وقواعد

☆ نیچے لکھے ہوئے مرکب الفاظ سے جملے بنائیے:

زورآزمائی   گوشہ گیر   غارت گری   نومشق   اسم شریف   ناچیز   لوگ باگ

غور کرنے کی بات

• اس ڈرامے میں ایک خاص دور کی تہذیبی، تاریخی اور معاشرتی منظرکشی کی گئی ہے۔اس ڈرامے میں نظیراکبرآبادی اسٹیج پر کبھی نظرنہیں آئے ہیں۔لیکن آگرہ کے بازار میں موجود تمام لوگوں کو کسی نہ کسی طرح سے متاثر کر رہے ہیں۔ دراصل نظیراکبرآبادی بازار میں موجود تمام لوگوں کی نمائندگی کر رہے ہیں اور وہ انھیں کے ذریعے بازار میں اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔ڈرامے کے آخر میں شامل نظم آدمی نامہ،اس ڈرامے کا بنیادی موضوع

© NCERT not to be republished

ہے جس میں بہت قسم کی خوبیوں اور خامیوں والے آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔غور کرنے کی بات یہ ہے کہ زندگی میں ہر قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے۔

عملی کام

☆ ڈرامے میں پتنگ کی جو مختلف قسمیں بتائی گئی ہیں، ان کے نام لکھیے۔
☆ اس ڈرامے کے کسی ایک منظر کو اسٹیج پر پیش کیجیے۔

© NCERT not to be republished

ناول

ناول اُس نثری صِنف کوکہا جاتا ہے جس میں ایک مربوط قصہ بیان کیا گیا ہواور جو ایک وسیع پس منظر میں زندگی کی ترجمانی کرتا ہو۔ ناول کا فن دراصل معاشرتی یا انفرادی زندگی کی ترجمانی اور تصویر کشی کا فن ہے ۔ ناول نویس اپنے فکر وخیال سے ایک نئی حقیقت وضع کرتا ہے جو دراصل زندگی سے ماخوذ ہوتی ہے۔ روایتی ناول کے اجزائے ترکیبی میں پلاٹ یعنی کہانی،کردار،مکالمہ اور نظریۂ حیات پر بالخصوص زور دیا جاتا ہے۔ ان اجزا میں منظر نگاری بھی شامل ہے۔لیکن ناول کےفن میں بہت تنوّع ہے۔

اُنیسویں صدی عیسوی کے نصفِ آخر میں ہندوستان غیرملکی سامراج کے شکنجے میں تھا لیکن مغربی تعلیم کے اثر سے نشاۃُ الثّانِیہ کے آثار پیدا ہونے لگے تھے۔اس زمانے میں نذیراحمد اور ان کے معاصرین کے ہاتھوں اردو ناول کا آغاز ہوا۔اردو کے ابتدائی ناول قصّوں کی شکل میں وجود میں آئے جن کا بنیادی مقصد اخلاقی اور معاشرتی اصلاح تھا۔ نذیراحمد کے ناولوں میں ''مِراۃ العروس''، ''توبتہ النّصوح''، ''ابن الوقت'' اور ''فسانۂ مبتلا'' خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔رتن ناتھ سرشار نے کئی ناول لکھے لیکن ''فسانۂ آزاد'' کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔سرشار کے ہم عصروں میں سجاد حسین، قاری سرفراز حسین اور عبدالحلیم شرر خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔شرر کے تاریخی ناول بہت مقبول ہوئے۔مرزا محمد ہادی رسوا کے ناول ''امراؤ جان ادا'' کا شمار اردو کے بہترین ناولوں میں ہوتا ہے۔رسوا کے بعد پریم چند اردو کے سب سے بڑے ناول نگار ہیں۔انھوں نے ہندوستان کے دیہات کی بھرپور ترجمانی کی ہے۔ پریم چند کے ناولوں میں ''گئودان'' شاہ کار کا درجہ رکھتا ہے۔ پریم چند کے بعد کرشن چندر، عصمت چغتائی، حیات اللہ انصاری، عزیز احمد ، خدیجہ مستور، قرۃ العین حیدر، عبداللہ حسین، جمیلہ ہاشمی، قاضی عبدالستار اور انتظار حسین اردو کے اہم ناول نگار ہیں۔

© NCERT not to be republished

کرشن چندر

(1914 – 1977)

کرشن چندر وزیرآباد، ضلع گجراں والا، پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پونچھ، کشمیر میں ہوئی۔1930 کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور گئے۔ 1934 میں پنجاب یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم۔اے کیا۔ آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ رہے۔ پھر ممبئ کی فلمی دنیا سے منسلک ہوکر آخر وقت تک ممبئ ہی میں رہے اور وہیں انتقال ہوا۔ترقی پسند تحریک سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ پریم چند کے بعد جن افسانہ نگاروں نے اردو افسانہ نگاری میں غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے، ان میں ایک اہم نام کرشن چندر کا بھی ہے۔

کرشن چندر بنیادی طور پر افسانہ نگار تھے لیکن انھوں نے ناول، ڈرامے، رپورتاژ اور مضامین بھی لکھے ہیں۔ان کی مقبولیت کا سبب ان کی حقیقت پسندی، رومانیت اور خوب صورت اندازِ بیان ہے۔ان کے ناولوں میں ''شکست''، ''جب کھیت جاگے'' اور ''آسمان روشن ہے'' کے علاوہ ''ایک گدھے کی سرگذشت'' کو خاص مقبولیت حاصل ہے۔

ایک گدھے کی سرگذشت

گذارشِ احوالِ واقعی

یہ جو میں پڑھنا بولنا سیکھا ہوں، اسے سیّد صاحب کی کرامات سمجھیے یا ان کی مہربانی کا نتیجہ۔ کیوں کہ سید صاحب کو اخبار پڑھتے ہوئے خبروں پر بحث کرنے اور کتاب زور زور سے پڑھنے اور پڑھتے ہوئے اس پر تنقید کرنے کی عادت تھی۔ یہاں جس جگہ پر وہ کوٹھی تعمیر کرا رہے تھے انھیں کوئی ایسا نہ ملا جس سے وہ ایسی بحث کر سکتے۔ یہاں ہر شخص اپنے اپنے کام میں مصروف تھا۔ میں ہی ایک گدھا انھیں ملا مگر اس سے انھیں بحث نہ تھی۔ وہ دراصل گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ اپنے دل و دماغ کی باتیں کسی سے کہنا چاہتے تھے۔ گدھے کی بجائے اگر ایک خرگوش بھی ان کی صحبت میں رہتا تو عالم فاضل بن جاتا۔ سید صاحب مجھ سے بڑی ملاطفت سے پیش آتے تھے اور اکثر کہا کرتے ”افسوس کہ تم گدھے ہو۔ اگر آدمی کا بچہ ہوتے تو میں تمھیں اپنا بیٹا بنا لیتا۔“ سید صاحب کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ خیر صاحب! کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ایک دن سید کرامت علی شاہ کی کوٹھی تیار ہوگئی اور میرے مالک کو اور مجھے بھی اسی دن وہاں کے کام سے جواب مل گیا۔ اسی رات دھنّو کمہار نے مجھے ڈنڈے سے خوب پیٹا اور گھر سے باہر نکال دیا اور کھانے کے لیے گھاس بھی نہ دیا۔ میرا قصور یہ بتایا کہ میں اینٹیں کم ڈھوتا تھا اور اخبار زیادہ پڑھتا تھا اور کہا کہ ”مجھے تو اینٹیں ڈھونے والا گدھا چاہیے اخبار پڑھنے والا گدھا نہیں چاہیے۔“

ناچار میں بھوکا پیاسا رات بھر دھنّو کمہار کے گھر کے باہر سردی میں

© NCERT not to be republished

ٹُھٹھرتا کھڑا رہا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ صبح ہوتے ہی سیّد کرامت علی شاہ کی کوٹھی پر جاؤں گا اور ان سے کہوں گا کہ اگر اینٹیں ڈھونے پر نہیں تو کم از کم کتابیں ڈھونے پر ہی مجھے نوکر رکھ لیجیے۔ شیکسپیر سے لے کر احمق پھپھوندوی تک میں نے ہر مصنف کی کتاب پڑھی ہے اور جو کچھ میں ان مصنفوں کے بارے میں جانتا ہوں وہ کوئی دوسرا گدھا کیا جان سکتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وکیل صاحب ضرور مجھ سے التفات کریں گے اور مجھے رکھ لیں گے مگر قسمت تو دیکھیے دوسری صبح جب میں سیّد صاحب کی کوٹھی پر گیا تو معلوم ہوا، راتوں رات فسادیوں نے حملہ کیا اور سیّد کرامت علی شاہ صاحب کو اپنی جان بچا کر پاکستان بھاگنا پڑا۔ فسادیوں میں لاہور کے گنڈا سنگھ پھل فروش بھی تھے جن کی لاہوری دروازے کے باہر پھلوں کی بہت بڑی دکان تھی اور ماڈل ٹاؤن سے ملی ہوئی ایک عالی شان کوٹھی بھی تھی۔ اس لیے حساب سے ایک عالی شان کوئی زمین بھی یہاں ملنی چاہیے تھی۔ سو بھگوان کی کرپا سے انھیں یہ سید کرامت علی شاہ کی نئی بنی بنائی تیار کوٹھی مل گئی۔ جب میں وہاں پہنچا ہوں تو گنڈا سنگھ لائبریری کی تمام کتابیں ایک ایک کر کے باہر پھینک رہے تھے اور لائبریری کو پھلوں سے بھر رہے تھے۔ یہ شیکسپیر کا سیٹ گیا اور تربوزوں کا ٹوکرا اندر آیا۔ یہ غالبؔ کے دیوان باہر پھینکے گئے اور ملیح آباد کے آم اندر رکھے گئے۔ یہ خلیل جبران گئے اور خربوزے آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد سب کتابیں باہر تھیں اور سب پھل اندر تھے۔ افلاطون کی بجائے آلو بخارا، سقراط کی جگہ سیتا پھل۔ جوشؔ کی جگہ جامن۔ مومنؔ کی جگہ موسمبی۔ شیلے کی جگہ شریفے، کیٹس کی جگہ ککڑیاں، بقراط کی جگہ بادام، کرشن چندر کی جگہ کیلے اور ل۔ احمد کی جگہ لیموں بھرے ہوئے تھے۔ کتابوں کی یہ درگت دیکھ کر میری آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے اور اب اُنھیں ایک ایک کر کے اٹھا کے اپنی پیٹھ پر لادنے لگا۔ اتنے میں گنڈا سنگھ اپنی پھلوں کی لائبریری سے باہر نکل آئے، آکر ایک نوکر سے کہنے لگے ''اس گدھے کی پیٹھ پر کتابیں لاد لو اور اگر ایک پھیرے میں سب کتابیں نہ جائیں تو آٹھ دس پھیرے کر کے یہ سب کتابیں لاری میں بھر کے لکھنؤ لے جاؤ اور انھیں نخّاس میں بیچ دو''۔ چنانچہ گنڈا سنگھ کے نوکر نے ایسا ہی کیا۔ بس دن بھر کتابیں لاد لاد کر لاری تک پہنچاتا رہا اور جب شام ہوئی اور جب آخری کتاب بھی لاری میں پہنچ گئی اس وقت گنڈا سنگھ کے نوکر نے کہیں جا کر مجھے چھوڑا۔ اس نے میری پیٹھ پر زور کا ایک کوڑا جمایا اور مجھے لات مار کے وہاں سے بھگا دیا۔ میں نے سوچا جس شہر میں کتابوں اور عالموں فاضلوں کی یہ بے حرمتی ہوئی ہو، وہاں رہنا ٹھک نہیں۔ اس لیے میں نے ترکِ وطن کا ارادہ کر لیا۔ اپنے شہر کے در و دیوار پر حسرت بھری نگاہ ڈالی۔ گھاس کے دو چار تنکے توڑ کر اپنے منھ میں رکھ لیے اور دہلی کا رخ کیا کہ آزاد ہندوستان کی راجدھانی یہی ہے۔ گہوارۂ علم وادب ہے۔ ریاست، سیاست کا مرکز ہے۔ وہاں کسی نہ کسی طرح گزر ہو ہی جائے گی۔

© NCERT not to be republished

جانا جمنا پار رامو دھوبی کے گھر اور ملاقات کرنا گدھے کا میونسپل کمیٹی کے محرّر سے

رامو دھوبی کسی زمانے میں سوئی والان میں رہتا تھا لیکن جب اس کے بہت سے گاہک ہجرت کر کے چلے گئے اور جو باقی رہ گئے وہ اس قدر غریب ہو گئے کہ خود اپنے ہاتھوں کپڑا دھونے لگے تو رامو دھوبی بھی ہجرت کر کے وہاں سے چلا آیا اور جمنا پار آ کے کرشن نگر میں بس گیا۔ یہاں مجھے بہت سخت کام کرنا پڑا۔ رامو صبح اٹھتے ہی کپڑوں کی گٹھریاں میری پیٹھ پر لاد کر چل دیتا اور جمنا کے کنارے پانی میں کھڑا ہو کر چھوا چھو شروع کر دیتا۔ دوپہر کو اس کی بیوی کھانا لے کر آتی تھی اور کچھ دُھلے ہوئے کپڑے میری پیٹھ پر لاد کر استری کے لیے لے جاتی تھی۔ میں دن بھر جمنا کنارے گھاس چرتا رہتا یا ریل کے پُل سے گزرتی ہوئی مخلوق کا تماشا دیکھتا۔ دن ڈھلے رامو پھر میری پیٹھ پر کپڑے لاد کر خود سوار ہو کر واپس گھر چلا جاتا اور مجھے ایک کھونٹے سے باندھ کر میرے سامنے گھاس ڈال کے تھکا ہارا اپنی چار پائی پر دراز ہو جاتا۔ بس صبح سے شام تک ایک عجیب طرح کی زندگی بسر ہوتی تھی۔ ایک کھونٹے سے دوسرے کھونٹے تک، گھر سے گھاٹ تک، گھاٹ سے واپس گھر تک۔ بیچ میں کوئی کتاب نہ آتی تھی، نہ کوئی اخبار، دنیا میں کیا ہو رہا ہے، سائنس کسے کہتے ہیں، سنیما کیا ہوتا ہے، رقص اور کلچر، تہذیب اور خوب صورتی، فن اور فلسفہ ان تمام باتوں سے رامو کی اور میری زندگی بالکل خالی تھی۔ میں تو خیر ایک گدھا تھا، لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ رامو اور اس کے گھر والے اور اس کے گھر کے آس پاس رہنے والے تقریباً ایک سی ہی زندگی، بالکل میری ہی زندگی بسر کرتے تھے۔ کتنے اچھے اچھے کپڑے ان لوگوں کے ہاں دھلنے کو آتے تھے، دلفریب چھینٹیں، خوب صورت شفان، پھول دار کریپیں اور بادلوں کی طرح اُڑتے ہوئے دوپٹّے۔ لیکن رامو کی بیوی یا اس کی بیٹی کے لیے ایک کپڑا ایسا نہ تھا۔ شام کو جب ہم جمنا سے لوٹتے اکثر سڑک کے کنارے ایک نئے تعمیر شدہ سینما کے باہر تماشائیوں کے ہجوم کو دیکھتے۔ مگر رامو بصد یاس وحسرت سینما کے خوب صورت اشتہاروں کی طرف آہ بھرتا ہوا چلا جاتا۔ اُس کا جی تو چاہتا تھا کہ ہر روز سنیما دیکھے اور اس کے ساتھ اس کے دوسرے ساتھی دھوبیوں کا بھی یہی جی چاہتا تھا۔ لیکن جب وہ اپنی جیب میں اتنے پیسے دیکھتے کہ یا تو ٹکٹ آجائے یا آٹا آجائے تو مجبور ہو کر آٹا لے آتے۔ کبھی کبھی کوئی من چلا آٹا چھوڑ کر سنیما کا ٹکٹ خرید لیتا تھا اس روز گھر میں بڑا ہنگامہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ رامو نے بھی ایسا کیا تھا اور مجھے اپنے ایک دوست تانگے والے کے حوالے کر کے اندر چلا گیا تھا۔ ہال کے باہر تین چار تانگے کھڑے تھے جن کے گھوڑے ہنہنا کر اور زمین پر سم بجا کر ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے تھے۔

ملاقات کرنا گدھے کا
دھلی میونسپلٹی کے چیرمین سے
اور آزردہ خاطر ھونا چیرمین کا
اور بُلایا جانا فائر بریگیڈ انجن کا

چپراسی کا اشارہ پاتے ہی میں کمرے کے اندر چلا گیا اور زور سے ''گوڈ مارننگ'' داغ دی۔ مجھے ڈر تھا کہیں ہندوستانی زبان میں بات کردی تو بالکل ہی گدھا نہ سمجھ لیا جاؤں۔ دہلی کے دفتروں کے قلیل سے تجربے نے یہ بات میرے ذہن نشین کرادی تھی کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد بھی یہاں انگریزی زبان کا راج ہے۔ آپ جب تک اردو یا ہندی میں گفتگو کرتے رہیں دفتری لوگ متوجہ ہی نہیں ہوں گے۔ لیکن جونہی ذرا انگریزی میں دانت دکھائے فوراً یوں پلٹ کر آپ کی بات سنیں گے جیسے آپ سیدھے ان کے ننھیال سے چلے آرہے ہوں اور بات سنتے وقت ایسی خوب صورت مسکراہٹ ان کے چہرے پر ہوگی جیسے کام آپ کو ان سے نہیں انھیں آپ سے ہو۔

چیرمین صاحب کا رنگ سانولا، قد ناٹا اور چہرہ بڑا گمبھیر تھا۔ ان کی آنکھوں سے ایسی ذکاوت، چالاکی اور دانش مندی کا اظہار ہوتا تھا جو کم سے کم پانچ چھ الیکشن لڑنے کے بعد آنکھوں میں آتی ہے۔ آدمی بڑے گھاگ تھے۔ اس لیے ایک گدھے کو کمرے کے اندر آتے دیکھ کر صرف ایک لمحے کے لیے چونکے۔ پھر فوراً ہی سنبھل گئے اور اس طرح گفتگو کرنے لگے جیسے ان کا عمر بھر انگریزی بولنے والے گدھوں سے واسطہ پڑتا رہا ہو۔

''تشریف رکھیے'' آپ نے مسکرا کے فرمایا۔

میں نے کہا'' اگر میں تشریف رکھوں گا تو آپ کی یہ آرام کرسی ضرور ٹوٹ جائے گی، اس لیے کھڑا ہی رہوں گا۔

چیرمین صاحب مسکرائے، کیونکہ میں نے بات واقعی ٹھیک کہی تھی۔ ایک قلیل وقفے کے بعد پھر بولے،'' آپ کو یہ سوانگ بھرنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ سیدھے سادے کپڑوں میں بھی میرے پاس آسکتے تھے۔''

میں نے کہا،'' حضور یہ سوانگ نہیں ہے حقیقت ہے''۔'' خیر اپنا اپنا ذوق ہے''۔ چیرمین نے ذرا آزردہ خاطر ہو کے کہا۔'' میں کون ہوں بولنے والا اور جب سے یہاں دلّی میں ایک صاحب نے دن میں لالٹین اور گھنٹی لے کر الیکشن لڑا ہے، میں نے تو اعتراض کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ آپ بھی چاہیں تو گدھے کا بہروپ بھر کر الیکشن لڑ سکتے ہیں۔ اگر اس میں آپ کو زیادہ ووٹ ملتے ہوں تو کیا مضائقہ ہے؟''

© NCERT not to be republished

میں نے کہا،'' حضور میں کوئی بہروپیا نہیں ہوں، واقعی ایک گدھا ہوں۔ آپ میری بات کا یقین کیجیے''۔

چیرمین صاحب کو پھر بھی اعتبار نہیں آیا بولے'' چھوڑیے ان باتوں کو۔ میں چھے الیکشن آج تک لڑ چکا ہوں اور کبھی ہار نہیں مانی، میں سب جانتا ہوں، خیر، آپ بتایئے۔ آپ کون سے وارڈ سے آئے ہیں؟''

'' جی میں فی الحال تو کرشن نگر وارڈ سے آیا ہوں''۔

'' ہوں۔'' چیرمین صاحب نے سر ہلا کے کہا اور اپنی چند یا کے گرد سفید بالوں پر اس طرح ہاتھ پھیرا جس طرح فلم گرہستی میں دُکھیا باپ کسی مصیبت میں گِھر جانے پر پھیرتا ہے۔'' آپ کرشن نگر کے وارڈ سے کھڑے ہو رہے ہیں۔ اچھا بتایئے کون سی پارٹی نے آپ کو نامزد کیا ہے۔ کانگریس نے، جن سنگھ نے، پرجا سوشلسٹ پارٹی نے کہ کمیونسٹوں نے۔ میرا مطلب ہے آپ کس پارٹی کے اُمیدوار ہیں؟''

میں نے کہا'' جی میں تو آپ کی نگاہِ کرم کا امیدوار ہوں''۔

چیرمین صاحب مسکرائے۔ سمجھ گئے کسی بہت چالاک آدمی سے پالا پڑا ہے۔ بولے'' بس۔ آپ بنیے نہیں۔ صاف صاف بتایئے کیا کام ہے؟ اگر مجھ سے کچھ ہو سکا تو ضرور کروں گا۔ مگر ایک شرط ہے، اگر آپ الیکشن جیت گئے۔ چاہے کسی پارٹی......''

'' دیکھیے''۔ میں نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا'' میں تو کب سے کہہ رہا ہوں، میں ایک گدھا ہوں مگر آپ میری سنتے ہی نہیں''۔

چیرمین نے بڑے غصّے سے کہا،'' میں آپ کو لالہ سنت رام سمجھتا تھا کرشن نگر کا امیدوار۔''

میں نے کہا'' میں آپ کو لالہ سنت رام دکھائی دیتا ہوں؟''

وہ بولے،'' کچھ لوگ باہر سے گدھے دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ لوگ اندر سے گدھے ہوتے ہیں۔ میں نے سمجھا ممکن ہے آپ اندر اور باہر دونوں طرف سے گدھے ہوں تو مجھے اپنے چیرمین کے عہدے کے لیے بہت جلدی ووٹ مل جائے گا۔ مگر افوہ تم نے میرا کتنا وقت برباد کیا ہے''۔

میں نے کہا'' آپ نے میری بات تو سُنی نہیں۔ میں دراصل رامو دھوبی مرحوم کے غریب بال بچوں......''

چیرمین نے زور سے گھنٹی بجاتے ہوئے کہا'' اس وقت تم مجھ سے کوئی بات نہ کرو۔ دیکھتے نہیں ہو۔ کیسی آگ لگی ہے''۔

واقعی آگ بھڑک رہی تھی۔ چیرمین نے گھنٹی بجائی۔ جلدی سے فائر بریگیڈ والوں کو ٹیلیفون کر دیا۔ میں نے بھی کمرے سے باہر نکل کر برآمدے میں کھڑے ہو کر ہانک لگائی۔ تھوڑے ہی عرصے میں ٹناٹن کی آوازوں کے ساتھ فائر بریگیڈ کے دو انجن

آ پہنچے۔ ان لوگوں نے سب سے پہلے تو مجھے لات مار کے وہاں سے نکال دیا، پھر آگ بجھانے لگے۔ میں نے سوچا یہاں رہوں گا تو ممکن ہے آگ لگانے کے جرم میں گرفتار کر لیا جاؤں، فوراً وہاں سے بگ ٹُٹ بھاگا اور سیڑھیوں کے نیچے آ کے دم لیا۔ کیونکہ اب لفٹ کام نہ کرتی تھی۔ نیچے آ کے انکوائری میں ایک بڈّھے لیکن بے حد ہمدرد کلرک سے جان پہچان ہوئی۔ اسے رامو کا سارا قصہ سنایا۔ بڈّھے کلرک کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے ظالم سماج، بے رحم نظامِ زندگی اور سرمایہ داری کو لاکھوں صلواتیں سُنانے کے بعد ہولے سے میرے کان میں کہا ''اگر تم دو روپے مجھے دو تو میں تمھاری عرضی لکھ کے Rehabilitation دفتر میں مدد کے لیے بھجوائے دیتا ہوں''۔

میں نے کہا، ''میں تو دھوبی کا گدھا ہوں، نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ میرے پاس دو روپے کہاں اور پھر تم جانتے ہو، دو روپے میں دو من گھاس آتی ہے۔ چھے سیر باجرہ، تین سیر چاول''۔

''لیکن دمے کا ایک ہی انجکشن آتا ہے''۔ کلرک نے بڑی افسردگی سے کھانستے ہوئے کہا، ''اور مجھے دمے کا عارضہ ہے اور ہر روز ایک انجکشن لینا پڑتا ہے''۔

بڈّھا کلرک افسردگی سے کھانستا رہا، میں وہاں سے چلا آیا۔

جانا گدھے کا
من سکھ لال کامرس منسٹر کی کوٹھی پر
اور بیان کرنا رامو کا قصّۂ غم
اور دلاسا دینا کامرس منسٹر کا
اور دیگر احوال اُس کوٹھی کا

یارو! میں کیا حال بیان کروں اس کوٹھی کا، کہ چاروں طرف سے خوب صورت باغات اور باغیچوں سے گھری تھی۔ پیڑوں کی شاخیں پھلوں سے جھُکی جاتی تھیں اور رَوِشوں کے کنارے کنارے خوب صورت قطعوں میں ایسے رنگین پھول کھِلے تھے کہ مجھ سے گدھے کی آنکھوں کو بھی طراوت آتی تھی۔ اور لان پر ایسی ہری ہری اور خوشبو دار گھاس تھی کہ ایک سو گدھے بھی ہر روز چرتے رہیں تو کبھی کم نہ ہو۔

جب میں وزیر صاحب کی کوٹھی کے اندر پہنچا تو وہ ایک سنگِ سرخ کے چھوٹے سے فوارے کے اِرد گرد ٹہل رہے تھے۔

© NCERT not to be republished

اُن کے بچّے لان پر قلابازیاں کھا رہے تھے اور سامنے برآمدے میں دو عورتیں پھول دار ساڑھیاں سُکھانے کے لیے اس پر ٹانگ رہی تھیں۔غرض یہ کہ بڑا دل فریب منظر تھا۔میں نے من سکھ لال جی کو دونوں کان جوڑ کر نمستے کی۔جس کا جواب انھوں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر بڑی نرمی سے دیا۔وہ اپنی دھوتی کی لانگھ ٹھیک کرتے ہوئے بولے ''سوں چھے!''

میں نے کہا'' مجھے زکام نہیں ہے''۔

وہ معافی مانگتے ہوئے بولے،''میں نے آپ کو اپنے وطن احمد آباد کا سمجھا تھا۔''

میں نے کہا'' جی نہیں، میں تو اتر پردیش کا رہنے والا ہوں''۔

وہ بولے'' اچھا،اچھا۔وہ جو بہار سے آگے آتا ہے''۔

میں نے کہا'' جی ہاں،اگر آپ بہار سے اِدھر آئیں تو آگے آتا ہے اور اُدھر سے بہار جائیں تو پہلے آتا ہے''۔

من سکھ لال جی ہنسنے لگے۔بولے'' تم صورت شکل سے گدھے دکھائی دیتے ہو مگر ہو نہیں بھائی صاحب''۔

میں نے کہا''نہیں بھائی صاحب میں واقعی گدھا ہوں۔یقین نہ آئے تو میرے کان اینٹھ کے دیکھ لیجیے''۔

من سکھ لال جی نے میرے کان اینٹھے، جب جا کے کہیں انھیں یقین آیا۔بولے،''اب کہو۔میں تمھارے لیے کیا کرسکتا ہوں؟''

میں نے کہا،'' من سکھ لال جی۔مجھے اپنے لیے تو گھاس کا ایک تنکا بھی نہیں چاہیے۔ میں رامو دھوبی کے سلسلے میں آیا ہوں۔'' اور اتنا کہہ کر میں نے رامو دھوبی کا پورا قصّہ بیان کیا۔

جانا گدھے کا
وزیر اعظم کی کوٹھی پر
اور ملاقات کرنا پنڈت جواہر لال نہرو سے
اور خفا ہونا باغ کے مالی کا

میں نے لوگوں سے سُن رکھا تھا کہ پنڈت جی سے ملاقات کا وقت صبح ساڑھے سات آٹھ بجے سے پہلے کا ہے۔اس کے بعد سے جو ملاقاتیوں کا تانتا شروع ہوتا ہے تو پھر کسی وقت ایک آدھ منٹ کا انٹرویو حاصل کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ یہی سوچ کر اس روز میں رات بھر جاگتا رہا اور مختلف رستوں سے گھوم گھوم کر پنڈت جی کی کوٹھی کے قریب تر پہنچنے کی کوشش کرتا رہا۔کوئی چھ بجے کے قریب میں ان کی کوٹھی کے باہر تھا۔سنتریوں نے مجھے لاپرواہی سے تاکا، شاید میں انھیں بالکل معمولی گدھا دکھائی دیتا ہوں

© NCERT not to be republished

گا۔ پہلے تو میں دیوار سے لگ کر آہستہ آہستہ گھاس چرتا رہا اور دھیرے دھیرے دروازے کے قریب آتا رہا۔ جب میں بالکل ہی قریب پہنچ گیا، تو سنتریوں نے ہاتھ اٹھا کر لا پرواہی سے مجھے ڈرایا۔ جیسے اکثر گدھوں کو ڈرایا جاتا ہے۔ میں نے ساری اسکیم پہلے سے سوچ رکھی تھی۔ ان کے ڈراتے ہی میں نے ایسا ظاہر کیا کہ میں بالکل ڈر گیا ہوں چنانچہ میں تڑپ کر اچھلا اور سیدھا کوٹھی کے اندر ہولیا۔ سنتری میرے پیچھے بھاگے وہ میرے پیچھے پیچھے اور میں ان کے آگے آگے۔ جب میں باغ کی روشوں میں پہنچ گیا تو سنتریوں نے ایک گدھے کا اس قدر پیچھا کرنا بے کار سمجھ کر مالی کو آواز دی کہ وہ اس گدھے کو باغ سے باہر نکال دے اور یہ کہہ کر وہ پھر باہر گیٹ پر کھڑے ہو گئے۔ جہاں ان کی ڈیوٹی تھی۔

مالی نے مجھے گھور کر دیکھا۔ وہ اس وقت ایک کھرپی لیے گلاب کی جھاڑیوں کے اردگرد گھاس صاف کر رہا تھا۔ اس نے جب اپنا کام بڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے سخت غصّہ آیا۔ مجھے اس کی آنکھوں میں ایذا پرستی اور شیطنت کی چمک دکھائی دی۔ مالی آہستہ سے جھاڑیوں کے پاس سے اٹھا اور اندر اپنے کوارٹر سے ایک مضبوط سونٹا لانے گیا۔ اتنے میں میں نے کیا دیکھا کہ پنڈت جی روش پر چلتے ہوئے بلکہ دوڑتے ہوئے گلاب کے پودوں کی طرف جا رہے ہیں۔ میں نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور ہرن کی طرح ایک چوکڑی بھری اور پنڈت جی کے پیچھے پیچھے ہولیا۔

میں نے آہستہ سے کہا'' پنڈت جی!''

پنڈت جی حیرت سے میری طرف مڑے جب انھیں کوئی انسان نظر نہ آیا تو پھر آگے چلنے لگے۔

میں نے پھر کہا'' پنڈت جی!''

اب کے پنڈت جی نے ذرا تنک مزاجی سے مجھے دیکھا اور بولے'' میں بھوتوں میں یقین نہیں رکھتا''۔

میں نے کہا'' یقین مانیے۔ میں بھوت نہیں ہوں۔ ایک گدھا ہوں''۔

جب پنڈت جی نے مجھے بولتے دیکھا تو اُن کی ایک لمحے کی حیرت بشاشت میں تبدیل ہوگئی۔ وہ بولے،'' میں نے اٹلی کے ایک گھوڑے کے بارے میں پڑھا تھا جو الجبرے کے سوال تک حل کر سکتا تھا لیکن بولنے والا گدھا آج ہی دیکھا۔ انسان کی سائنس کیا کچھ نہیں کر سکتی، بولو کیا چاہتے ہو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

میں نے کہا'' آپ سے پندرہ منٹ کے لیے ایک انٹرویو چاہتا ہوں۔ سوچتا ہوں کہیں آپ اس لیے انکار نہ کر دیں کہ میں ایک گدھا ہوں۔''

پنڈت جی ہنس کر بولے'' میرے پاس انٹرویو کے لیے ایک سے ایک بڑا گدھا آتا ہے۔ ایک گدھا اور سہی۔ کیا فرق

© NCERT not to be republished

پڑتا ہے......شروع کرو''۔

میں شروع کرنے والا تھا کہ اتنے میں مالی دُور سے ڈنڈا لیے بھاگتا ہوا نظر آیا۔ میں نے مالی کی طرف دیکھا، پھر پنڈت جی کی طرف، پنڈت جی سمجھ گئے۔ انھوں نے ہاتھ کے اشارے سے مالی کو روک دیا اور خود روش پر ٹہلنے لگے۔ میں نے رامو دھوبی کی داستانِ غم مختصر لفظوں میں بیان کی پنڈت جی بہت متاثر ہوئے۔ کہنے لگے ''اس معاملے میں حکومت کچھ نہیں کرسکتی مگر اپنی جیب سے ایک سو روپیہ دے سکتا ہوں''۔

یہ کہہ کر انھوں نے اپنی جیب سے ایک سو روپے کا نوٹ نکالا اور میرے کان کے اندر اُڑس دیا۔ میں نے کہا ''پنڈت جی۔ قدوائی مرحوم بھی اسی طرح خیرات کیا کرتے تھے۔ سینکڑوں لوگوں کا بھلا اس میں ضرور ہو جاتا ہے مگر ہے تو یہ خیرات!''

پنڈت جی بولے ''خیرات تو ہے''۔

میں نے کہا ''خیرات بند ہونی چاہیے۔ ہندوستانی کا یہ حق ہونا چاہیے کہ جب وہ مرے تو اس کے بعد ریاست اس کے بیوی بچوں کے گزارے کا بندوبست کرے۔ اسے آزادی کے بنیادی اصولوں میں شمار کیا جانا چاہیے''۔

''اصول تو درست ہے۔'' پنڈت جی نے سوچ کر کہا ''لیکن اصولوں کو عمل میں لانے کے لیے خون پسینہ ایک کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے بہت کم لوگ تیار ہوتے ہیں۔ یوں تو تمھاری طرح لوگ انقلاب کی باتیں بہت کرتے ہیں لیکن رامو دھوبی کی بیوہ کو سرکاری پنشن دینے کے لیے قوم کے پاس اس سے کہیں زیادہ قومی دولت ہونی چاہیے جتنی آج کل اس کے پاس موجود ہے۔ اس قومی دولت کو بڑھانے کے لیے ہم نے پنج سالہ پلان تیار کیا ہے جس پر ملک بھر میں عمل ہو رہا ہے۔ لیکن لوگوں کے جوش و خروش کا وہ عالم نہیں ہے جس کی مجھے ان سے توقع تھی''۔

گھیر لینا گدھے کو اخبار والوں کا
اور لے کے جانا اسے
کانسٹی ٹیوشن کلب میں اور
بیان گدھے کی پریس کانفرنس کا

وزیراعظم کی کوٹھی سے باہر نکلتے ہی میں نے اپنے آپ کو دنیا کا مشہور ترین گدھا پایا۔ ایک لمحہ پہلے میں گمنام ترین گدھا تھا جو سڑکوں پر عرضی لیے مارا مارا پھرتا تھا۔ لیکن وزیراعظم سے ملاقات ہوتے ہی گویا میری تقدیر بدل گئی۔ جب میں کوٹھی سے

باہر نکلا ہوں تو دروازے کے باہر گویا جرنلسٹوں کا اور فوٹو گرافروں کا ایک اژدہام تھا۔ کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ میرے فوٹو پر فوٹو اُتارے جا رہے تھے۔ آخر میں وہ لوگ مجھے گھیر گھار کر کانسٹی ٹیوشن کلب لے گئے۔ تاکہ وہ میرا انٹرویو لے لیں۔

کانسٹی ٹیوشن کلب میں پریس کے نمائندوں نے مجھ پر سوالوں کی بوچھاڑ کر ڈالی۔

''وزیرِاعظم سے آپ کی کیا کیا باتیں ہوئیں؟ ایک جرنلسٹ سے نہ رہا گیا۔

میں نے کہا'' کچھ گھاس کے بارے میں کچھ گلاب کے پھولوں کے بارے میں''۔

دوسرا جرنلسٹ بولا '' آپ ہمیں اُڑا رہے ہیں۔ صاف صاف بتایئے نا کس موضوع پر گفتگو رہی؟''

مگر میں کہاں ان کے ہاتھوں میں آنے والا تھا۔ میں نے کہا'' کچھ دھوبیوں کے بارے میں ذکر رہا، کچھ ان کے گدھوں کے بارے میں۔ کچھ نئی نسل کے گدھوں کے بارے میں۔''

لنڈن ٹائمز کے نمائندے نے رائل کمیشن کے کسی ممبر کی طرح بولتے ہوئے کہا'' اے مسٹر ڈنکی: شخصی آزادی کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟''

میں نے کہا'' ہر گدھے کو گھاس چرنے کی آزادی ہونی چاہیے''۔

'' اور co-existence یعنی بقائے باہم کے بارے میں؟''

میں نے کہا'' ہر گدھے کو چاہیے کہ خود بھی جیے اور دوسروں کو بھی جینے دے۔ کم از کم ہم گدھے تو اسی اصول پر عمل کرتے ہیں، میں انسانوں کی بات نہیں کرتا''۔

''نسلی امتیازات کے بارے میں تم کیا رائے رکھتے ہو؟''

میں نے کہا'' ہم گدھوں کے اندر کسی قسم کے نسلی امتیاز نہیں پائے جاتے۔ گدھا کالے بالوں والا ہو یا بھورے بالوں والا۔ اس کا ماتھا سپید ہو یا کالا۔ اس کی کھال دھاری دار ہو یا بے دھاری دار۔ ہمارے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے سماج میں سب گدھے برابر ہیں''۔

مانچسٹر گارجین کے نمائندے نے ایسی دلچسپی سے نیویارک ٹائمز اور لائف کے نمائندوں کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ دیکھو، میں تم سے کہتا نہیں تھا پہلے اس کے خیالات معلوم کرلو۔

لائف والے نے نیو یارک ٹائمز والے سے کہا'' میرے خیال میں اب فرانسس کو بلانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، وہ تار منسوخ کر دیا جائے''۔

© NCERT not to be republished

مانچسٹر گارجین کے نمائندے نے پوچھا ''حضرت یہ مشرق اور مغرب میں جو ٹھنڈی جنگ چھڑی ہوئی ہے اس کے متعلق بھی گل افشانی کیجیے گا؟''

میں نے کہا ''ہم گدھوں میں کبھی کوئی ٹھنڈی یا گرم جنگ نہیں ہوتی۔ دراصل ہم گدھے لوگ جیسا کہ آپ انسانوں کو معلوم ہوگا جنگ سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا گھاس کے ایک ہی پلاٹ پر درجنوں گدھے اکٹھے چرتے ہیں اور کبھی کوئی لڑائی نہیں ہوتی۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا آخر انسان اس طرح اکٹھے کیوں نہیں چر سکتے۔ پھر آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ مختلف رنگ اور نسلوں والے گدھے سب اکٹھے مل کر اینٹیں ڈھوتے ہیں اور ایک نیا مکان بنانے میں مدد پہنچاتے ہیں۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم انسان، مختلف رنگ اور نسلوں والے انسان اکٹھے مل کر ایک نیا کارخانہ یا ایک نئی دنیا کیوں نہیں تعمیر کر سکتے؟''

چھپنا گدھے کے انٹرویو کا
دنیا بھر کے اخباروں میں
اور هجوم
گدھے سے ملاقات چاهنے والوں کا

دوسرے دن مجھے موسیقی کی مدّھم مدّھم دُھنوں کے درمیان خوابِ خرگوش بلکہ خوابِ خر سے جگایا گیا۔ میں نے مسہری سے اٹھ کر دیکھا بہت سے خدّام ناشتہ لیے حاضر تھے۔ سوندھی سوندھی بھنی ہوئی باجری کا دلیہ کھانے میں بہت لطف آیا۔ اس سے پہلے صِرف سُن رکھا تھا کہ انسان اپنے مطلب کے لیے گدھے کو بھی باپ بنا لیتا ہے۔ آج اپنی آنکھوں سے اس کی تصدیق ہو گئی۔ کیونکہ جب میں دلیہ کھا رہا تھا، اسی وقت کیا دیکھتا ہوں کہ سیٹھ بر جوٹیا ہاتھ میں بہت سے اخباروں کا پلندہ اُٹھائے خوشی خوشی چلے آرہے ہیں۔ آتے ہی اس گرم جوشی سے بغل گیر ہوئے جیسے میں کوئی گدھا نہ تھا، ان کا سگا بھائی یا باپ تھا۔ آتے ہی کہنے لگے۔ ''یہ دیکھیے دنیا بھر کے اخباروں میں آج آپ کی تصویریں چھپی ہیں اور پہلے صفحے پر۔ آج تو آپ نے نہر سویز کے جھگڑے کو بھی پچھلے صفحے پر پھینک دیا۔ یہ دیکھیے ایڈن کی تقریر دوسرے صفحے پر آئی ہے۔ خاص طور سے آپ کے لیے دنیا بھر کے اہم اخبار ہوائی جہاز سے منگوائے ہیں''۔

© NCERT not to be republished

طے ہونا شادی کا
سیٹھ من سُکھ لال
کی بیٹی روپ وتی کی
گدھے کے ساتھ

جب وہ تینوں بدنصیب روحیں کوٹھی سے باہر نکل گئیں تو میری جان میں جان آئی۔ میں نے کچھ غصّے سے اور کچھ واقعی بن کے سیٹھ کی طرف مڑ کے کہا ''دیکھیے نایعنی دیکھا آپ نے کس قدر؟......'' مارے غصّے کے مجھ سے بات نہیں کی جا رہی تھی۔

سیٹھ من سکھ لال نے سر ہلا کے اثبات میں کہا'' میں سمجھتا ہوں، سب سمجھتا ہوں زمانہ، دیکھے ہوئے ہوں شریمان جی! یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس دنیا میں یہی ہوتا ہے۔ جہاں کسی آدمی نے ذرا بھی ترقی کی، چاہے وہ گدھا ہی کیوں نہ ہو.........اور اس سے پہلے اس کا کوئی نہیں ہوتا.........لیکن جہاں اس نے ذرا بھی ترقی کی فوراً اس کے ماں باپ دوست ہمدرد، رشتے ناطے والے پیدا ہو جاتے ہیں اور طرح طرح سے شجرۂ نسب ملا کے اس سے اپنا رشتہ جوڑنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جانے یہ لوگ برساتی مینڈکوں کی طرح کدھر سے آ جاتے ہیں''۔

''ہاں دیکھیے تو!'' میں نے اُسی غصّے میں کہا۔

سیٹھ من سکھ لال نے بڑی محبت سے میری پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کہنے لگے ''چلیے اندر چلیے''۔

ہم دونوں آہستہ آہستہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سیٹھ بدستور اسی محبت سے میری پیٹھ پر ہاتھ پھیر رہے تھے اور کہتے جاتے تھے'' شریمان جی! ایک بات تو ہے آپ کو نوعمری میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ آپ کو اگر اپنے ماں باپ نہیں تو کم سے کم ایک ایسی ہستی کی ضرورت ہے جو آپ کا خیال رکھ سکے..........''

''خیال؟'' میں سوچنے لگا۔

''آپ سے محبت کر سکے''۔

''محبت؟'' میری آنکھیں چمکنے لگیں۔

''جو آپ کی روز مرّہ کی ذمّہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے آپ کو مسرّت اور تازگی بخش سکے''۔

''مسرّت؟'' یہ مبارک جھونکا کدھر سے آ رہا تھا۔

''جو صحیح معنوں میں آپ کی جیون ساتھی بن سکے''۔

''جیون ساتھی؟'' میں نے نہایت ہی نرم لہجے میں اپنے آپ سے سوال کیا ''ایسی گدھی کہاں مل سکے گی؟''

من سکھ لال ایک لمحے کے لیے ٹھس سے صوفے پر چُپ چاپ بیٹھ گئے۔ پھر حوصلہ کرکے میرے قریب آئے، بولے ''اب آپ اپنی جاتی بھول جائیے۔ بھول جائیے کہ کبھی آپ گدھے تھے۔ یا گدھوں کے قبیلے سے کبھی آپ کا واسطہ تھا۔ آج سے آپ ایک نئے طبقے میں قدم رکھ رہے ہیں۔ ایک نئے سماج میں، نئی دنیا میں، یہاں کی قدریں کچھ اور ہیں۔ شریمان جی! اب آپ کل کی بات سوچیے کل جو آنے والا ہے۔ جو گزر گیا اُسے بالکل بھول جائیے......''

''بھول گیا؟'' میں نے اپنی دونوں آنکھیں چند لمحوں کے لیے بند کرکے انھیں ایک دم کھولتے ہوئے کہا ''بھول گیا۔ سیٹھ جی۔ اب بتائیے۔ آگے کیا ہو''۔

''آپ میری بیٹی سے شادی کر لیجیے''۔

''آپ کی بیٹی سے؟'' میں زور سے چیخا اور ایک دم صوفے سے اُٹھ کھڑا ہوا.........مِس روپ وتی سے؟''

''ہاں! اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ میری بیٹی پڑھی لکھی اپ ٹو ڈیٹ، سُوشیل..........''

میں نے بات کاٹ کے کہا ''میں آپ کی لڑکی کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا میں تو اپنے بارے میں سوچ رہا تھا۔ دیکھیے میں تو محض ایک گدھا ہوں، جانور ہوں اور آپ لوگ انسان ہیں۔ کتنی مدّت کے بعد ایک جانور اور ایک انسان میں..........شاید لاکھوں برس کے بعد..........شادی کا رشتہ قائم ہوگا''۔

من سکھ لال نے میرے کان سے کھیلتے ہوئے کہا ''بس یہ بات آپ مان جائیے۔ اور..........''

''مگر..........'' میں نے پھر جلدی سے قطع کلام کرتے ہوئے کہا '' آپ نے اس تجویز کے حسن و قبح پر غور کر لیا ہے؟''

''اچھی طرح!''

''مگر دیکھیے نا! یہ ایک لڑکی کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ آپ روپ وتی سے پوچھے بغیر کیسے یہ رشتہ طے کر سکتے ہیں۔ کیا اُسے اس شادی پر کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟''

''نہیں ہوگا'' من سکھ لال نے اعلان کیا ''میں نے اس سے بات کر لی ہے''۔

''باپ رے!'' میں حیرت سے چلاّیا۔ ''مجھے یقین نہیں آ رہا ہے''۔

''آپ خود اس سے بات کرکے اس کی تصدیق کر سکتے ہیں''۔

''مگر..........''

© NCERT not to be republished

مگر من سکھ لال نے میری بات نہ سُنی۔ اس نے جلدی سے گھنٹی بجائی۔ ایک خادم حاضر ہوا۔ من سکھ لال نے اس سے کہا ''بِٹیا کو ذرا نیچے بھیج دو''۔

''مگر وہ تو کب کی سونے کے لیے چلی گئی تھیں۔'' یکا یک مجھے یاد آیا۔

سیٹھ من سکھ لال مسکرائے، بولے ''نہیں وہ جاگ رہی ہیں اور ہماری گفتگو کے نتیجے کا انتظار کر رہی ہیں''۔

میں حیرت سے سیٹھ من سکھ لال کے منھ کی طرف دیکھنے لگا۔

اتنے میں ہال کی سیڑھیوں سے مس روپ وتی خراماں خراماں نیچے اترنے لگی۔

اس نے گہرے نیلے رنگ کا ایک غرارہ پہن رکھا تھا جس میں سونے کے لہریے چمکتے تھے۔ ہلکے آسمانی رنگ کا دوپٹّہ اس کے کٹے ہوئے بالوں کے حسن کو دوبالا کر رہا تھا۔ غرارے کے نیچے سے دو خوب صورت پاؤں سیڑھیوں سے نیچے اترتے نظر آرہے تھے۔ میرا دل بھی سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگا۔ جب وہ میرے بالکل قریب آگئی تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ اب نیچے جانے کے لیے کوئی سیڑھی نہ تھی۔ میں نے مدد کے لیے اِدھر اُدھر دیکھا مگر موقع پاکر سیٹھ بھی اس وقت کِھسک گیا تھا۔ اب ڈرائنگ روم میں، میں اور وہ بالکل اکیلے تھے۔ میرا جی گھبرا کر گدھے کی طرح ہانکنے کو چاہا۔ مگر موقع دیکھ کر چپ ہو گیا۔

''فرمایئے؟'' روپ وتی نے اپنے دوپٹے سے کھیلتے ہوئے کہا۔

میں نے گلے کا لعاب حلق سے نیچے نِگلا۔ آخر کسی نہ کسی طرح ہمّت کرکے پوچھ ہی لیا'' کیا یہ سچ ہے؟''

''کیا؟'' روپ وتی نے اپنی بڑی بڑی معصوم آنکھیں میری آنکھوں میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''کہ آپ مجھ سے شادی پر آمادہ ہیں؟''

''ہاں!'' آواز بہت کمزور اور پیاری تھی۔ میرا جی چاہا کہ مارے خوشی کے ایک دولتّی جھاڑ دوں مگر پھر خاموش ہو رہا کہ کہیں بدتہذیب نہ سمجھ لیا جاؤں۔

''مگر دیکھیے ....'' میں نے بحث کا آغاز کرتے ہوئے کہا'' آپ نے کیا سب سوچ لیا ہے۔ کہیں آپ کو بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔ آپ دیکھ رہی ہیں کہ میں ایک گدھا ہوں''۔

''شوہر کو ایسا ہی ہونا چاہیے''۔ روپ وتی فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

لے جایا جانا گدھے کا واپس سیٹھ من سکھ لال کی کوٹھی پر
اور لڑائی کرنا
مس روپ وتی کا اس سے
اور افشا ہونا راز ہائے درون پردہ کا

گھر لے جا کے سیٹھ من سکھ لال اور اس کی بیٹی روپ وتی نے مجھے ایک کمرے میں بند کر دیا۔

اس وقت رات ہو چکی تھی، سڑک پر کہیں کہیں گھوڑے تانگوں میں جتے ہوئے جا رہے تھے۔ایک بیل کاغذ سے بھرا ہوا چھکڑا کھینچے لیے جا رہا تھا۔ دو کتّے زنجیروں میں بندھے ہوئے ایک نوکر کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ ہم جانوروں کی بھی کیا زندگی ہے؟

روپ وتی کے ہاتھ میں ایک پتلی سی بید کی چھڑی تھی۔ وہ اسے ہاتھ میں لیے لیے ٹہل رہی تھی اور مارے غصّے کے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ آخر سیٹھ من سکھ لال نے اسے بہت سمجھایا۔ کہا'' تم اپنے ہونے والے خاوند کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر سکتیں اور وہ بھی شادی سے پہلے ہی''۔

میں نے سیٹھ کی طرف داری کرتے ہوئے کہا'' آپ بجا فرماتے ہیں، عام طور پر پٹائی محبت کے بعد شروع ہوتی ہے،محبت سے پہلے ہی پٹائی شروع کر دو گی تو زندگی اجیرن ہو جائے گی''۔

''تم چپ رہو جی۔'' روپ وتی نے غصّے سے بید گھماتے ہوئے کہا۔

سیٹھ من سکھ لال نے بید اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

روپ وتی بید کے بجائے ہاتھ گھماتے ہوئے بولی'' اچھا یہ بتاؤ، کیا تم سچ مچ اس کم بخت پر عاشق ہو''۔

''کون ہے وہ؟ میں آپ کا اشارہ نہیں سمجھا۔''

''وہی ،کملا!''

''کملا؟''

''ہاں !ہاں وہی بے حیا۔''، روپ وتی بڑی نفرت سے بولی۔

میں نے جلدی سے کہا'' مگر مجھے اس سے عشق نہیں ہے۔میں تو دراصل ایک گدھا ہوں۔ میں ایک عورت سے کیسے عشق کر سکتا ہوں؟''

© NCERT not to be republished

سیٹھ من سکھ لال بولے'' بھائی آج کل ایک گدھا ہی عشق کرسکتا ہے۔ ورنہ آج کل کے زمانے میں کسی ذی ہوش انسان کو عشق کرنے کا خیال ہی کیسے ہوسکتا ہے۔ دیکھو تو چیزیں کس قدر سستی ہو رہی ہیں۔ گندم کا بھاؤ گر گیا ہے، کالی مرچ کا بھاؤ گر گیا ہے، ابھی ابھی اسٹاک ایکسچینج پر میں نے اس مندے میں دس لاکھ روپے کھودیے۔ ارے اس خوف ناک ستائی کے زمانے میں کون بھلا مانس عشق کرے گا۔ سوائے ایک گدھے کے!''

روپ وتی نے پوچھا'' سچ سچ بتاؤ مِس کملا تمھیں اچھی لگتی ہے؟''

''ہاں!''

''اس میں کیا ہے جو مجھ میں نہیں؟''

میں نے کہا'' جو سچ پوچھو تو تم دونوں میں کیا ہے؟''

روپ وتی اٹھلاتی ہوئی میرے پاس آئی'' ڈارلنگ اُس روز میں نے تم سے کہا تھا نا کہ تم کبھی کبھی سَیر کے لیے میرے ساتھ جا سکتے ہو''۔

''مگر میری پیٹھ پر زین کسی ہوگی! مجھے یاد ہے!'' میں نے اس سے کہا۔

وہ میرے اور بھی قریب آ گئی۔ بولی'' تم ہر روز سیر کے لیے میرے ساتھ جا سکتے ہو اور میں تمھاری پیٹھ پر زین بھی نہیں کسوں گی اور دیکھو تمھاری رسّی میں خود اپنے ہاتھ میں رکھوں گی۔ سائیس کو بھی نہ دوں گی۔''

''وہ تو بیوی اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے، شوہر کی رسّی!''

روپ وتی نے اپنی بانہیں میری گردن میں ڈال دیں بولی'' اور یہ بھی تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ سال میں دو مرتبہ تم میرے ڈائننگ روم میں آ کے میرے ساتھ ایک ٹیبل پر کھانا بھی کھا سکتے ہو''۔

''وہ کون سے دن ہوں گے؟''

''ایک تو تمھاری سال گرہ کے روز''۔ روپ وتی بولی'' تمھاری سال گرہ کب ہوتی ہے؟''

''ہوتی ہی نہیں ہے۔ مس روپ وتی۔'' میں نے جھلّا کے کہا'' کہیں گدھوں اور عام آدمیوں کی بھی سال گرہ منائی جاتی ہے؟ یہ سال گرہ اور اس قسم کی باتیں بڑے بڑے آدمیوں تک ہی محدود ہیں۔ اچھا خیر، چلیے، ایک تو ہماری سال گرہ کے روز آپ ہم سے ڈائننگ ٹیبل پر ملیں گی اور وہ دوسرا خوش نصیب دن کون سا ہوگا؟''

''جس دن ہم اپنی شادی کی سال گرہ منایا کریں گے۔'' مِس روپ وتی فلم ایکٹرسوں کی طرح لجا کے بولی اور اس نے

© NCERT not to be republished

میرے کان پر ایک بوسہ دیا۔

پھر آہستہ سے اس نے ایک کاغذ میرے سامنے بڑھا دیا۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کانٹریکٹ ہے۔''

''شادی کا کانٹریکٹ؟''

''نہیں پیارے، یہ تمھارے اور پتا جی کے بزنس پارٹنر شپ کا کانٹریکٹ ہے۔''

''کون سی بزنس کا؟''

''وہی ڈارلنگ!'' روپ وتی بالکل میرے گلے سے اپنے رخسار لگائے ہوئے بولی ''وہی جس کے لیے کملا تمھیں رسّی سے کھینچ کر اپنے گھر لے جا رہی تھی۔ لو اب جلدی سے دستخط کر دو نا۔ میرے پیارے ڈنکی مونکی۔''

''دستخط تو میں ابھی کیے دیتا ہوں۔'' میں نے مجبور ہو کے کہا ''مگر وہ پچیس کروڑ کا ٹھیکہ کدھر ہے؟''

''کیا مطلب؟'' سیٹھ من سکھ چونک کر بولے ''تم اس روز تو خود ہی کہہ رہے تھے کہ وزیر اعظم سے دورانِ گفتگو پچیس کروڑ کے ٹھیکے.........''

''مگر'' میں نے جلدی سے بات کاٹ کے کہا ''مگر آپ نے میری پوری بات کہاں سُنی۔ بات میرے ٹھیکے کی نہیں ہو رہی تھی۔ برماشیل آئیل ریفائنری کے پچیس کروڑ کے پراجیکٹ........''

''باپ رے۔ میں تو بالکل لُٹ گیا۔'' سیٹھ نے زور سے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔ ''پچیس کروڑ کا ٹھیکہ بھی ہاتھ سے گیا۔ ارے لوگو! اس کے لیے میں نے کیا کیا نہیں کیا۔ اس کم بخت گدھے کو اپنے گھر میں رکھا۔ اسے ایک طرح سے گھر داماد بنایا۔ اس کے لیے میونسپلٹی سے ایڈریس دلوایا۔ اخباروں میں اس کے فوٹو نکلوائے۔ جلوس، ہار، خوش بودار گھاس، ہائے رام میں تو بالکل لُٹ گیا''۔

''ٹھیکہ نہیں تھا''۔ روپ وتی کی آنکھوں سے شعلے سے نکلنے لگے پھر ''تُو ہمارے گھر میں کیا کر رہا ہے؟''

میں نے کہا ''عقل کی بات کرو، میں تمھارا ہونے والا خاوند ہوں''۔

''کمینے! گدھے!''

''مگر میں تو تمھارا دھبڑو ہوں، تمھارا ڈارلنگ!''

روپ وتی نے بید اُٹھا لیا، سیٹھ جی نے ڈنڈا، ایک نوکر کہیں سے موٹا سا بانس لے آیا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر سب دروازے بند تھے اور چاروں طرف دیواروں میں کہیں کوئی کھڑکی نہ تھی!

اِسٹاپ پریس

بولنے والا گدھا کل رات شدید طور پر زخمی ہو گیا۔ اس کی بہت سی ہڈّی پسلیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ ٹانگوں میں بھی ضربِ شدید کے نشان ہیں۔ حملہ آوروں کا پتہ نہیں چل سکا۔ پریس والے گھسیٹ کر جانوروں کے ہسپتال میں لے گئے۔ ڈاکٹروں کی رائے میں اس کی حالت خطرناک بیان کی جاتی ہے۔ ممکن ہے وہ اس حادثے سے جانبر نہ ہو سکے، بہر حال علاج جاری ہے۔ قارئین اس کے حق میں دُعائے خیر کریں۔ ممکن ہے وہ کبھی اچھا ہو جائے اور پھر کبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکے۔

(کرشن چندر)

(تلخیص: ایک گدھے کی سرگذشت)

مشق

لفظ و معنی

احوالِ واقعی	:	سچّے حالات
سرگذشت	:	آپ بیتی
ملاطفت	:	مہربانی، نرمی
بے حرمتی	:	بے عزّتی
گہوارۂ علم	:	علم کا مرکز
آزردہ خاطر	:	پریشان دل، اداس، غم گین
ذکاوت	:	ذہانت
قطع	:	زمین کا ٹکڑا، کیاری

© NCERT not to be republished

شفان	:	ایک قسم کے کپڑے کا نام
طراوت	:	تازگی
ایذا پرستی	:	تکلیف دینے کا عمل
بشاشت	:	تازگی
اژدہام	:	ہجوم، بھیڑ
بقائے باہم	:	آپسی رواداری
منسوخ	:	رد کرنا
گل افشانی	:	خوش گفتاری
خوابِ خرگوش	:	گہری نیند میں ہونا
خدّام	:	خادم کی جمع، خدمت گار
اثبات	:	حامی بھرنا
شجرۂ نسب	:	خاندان کی تاریخ
حُسن و قبح	:	خوبی اور خرابی
افشا	:	ظاہر ہونا
راز ہائے دُروں	:	چھپا ہوا راز
ضرب	:	مار، چوٹ
جانبر ہونا	:	اچھا ہونا، صحت یاب ہونا

سوالات

1۔ گدھے نے سید کرامت علی شاہ کی کس مہربانی کا ذکر کیا ہے؟

2۔ گدھے نے ترکِ وطن کا ارادہ کیوں کیا؟

© NCERT not to be republished

3۔ رامو دھوبی کے یہاں گدھے کے شب وروز کس طرح سے گزرے؟

4۔ چیرمین نے گدھے کو لالہ سنت رام کیوں سمجھا اور کیا کہا؟

5۔ بڈھے کلرک اور گدھے کے درمیان کیا بات چیت ہوئی ؟

6۔ پنڈت جواہرلال نہرو اور گدھے کے درمیان کس مسئلے پر گفتگو ہوئی ؟

7۔ ''شوہر کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔'' یہ جملہ روپ وتی نے کب اور کیوں کہا؟

8۔ گدھے کا انجام کیا ہوا؟

زبان وقواعد

☆ درج ذیل جملوں کی وضاحت کے ساتھ مصنف کے طنز ومزاح کی نشان دہی کیجیے:

- میں ہی ایک گدھا انھیں ملا مگر اس سے انھیں بحث نہ تھی وہ دراصل گفتگو کرنا چاہتے تھے۔
- میں نے سوچا جس شہر میں کتابوں اور عالموں فاضلوں کی یہ بے حرمتی ہوتی ہو وہاں رہنا ٹھیک نہیں۔
- مجھے ڈر تھا کہ ہندوستانی زبان میں بات کر دی تو بالکل ہی گدھا نہ سمجھ لیا جاؤں۔
- وہ بولے کچھ لوگ باہر سے گدھے دکھائی دیتے ہیں کچھ لوگ اندر سے گدھے ہوتے ہیں۔
- میں نے کہا میں دھوبی کا گدھا ہوں نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔
- من سکھ لال جی ہنسنے لگے۔ بولے تم صورت شکل سے گدھے دکھائی دیتے ہو مگر ہو نہیں بھائی صاحب! میں نے کہا نہیں بھائی صاحب میں واقعی گدھا ہوں یقین نہ آئے تو میرے کان اینٹھ کے دیکھ لیجیے۔

غور کرنے کی بات

یہ ایک حیوانیہ یعنی (Animal Story) ہے۔ اسے ہم تمثیلی ناول بھی قرار دے سکتے ہیں۔ بھلا ایک جانور کی سرگذشت کیا ہو سکتی ہے۔ گدھا دراصل عام آدمی کی تمثیل ہے۔ اس بہانے مصنف نے آج کے مطلب پرست افسروں،

© NCERT not to be republished

چھوٹے موٹے رہنماؤں اور سماجی خرابیوں پر طنز کیا ہے۔ ایسا طنز کہ قاری پڑھتے ہوئے مسکراتا تو ہے مگر دوسرے لمحے گہری سوچ میں ڈوب جاتا ہے۔ تقسیمِ ملک کے اثرات عام آدمی پر کس طرح سے مرتّب ہوئے۔ اسے مذہب اور زبان کے نام پر کیسی کیسی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ ان جملہ مسائل کو گدھے نے اپنے مالک رامو کے علاوہ میونسپل کمیٹی کے محرر، چیرمین، کامرس منسٹر، وزیرِاعظم، اخباری نمائندے اور سیٹھ من سکھ لال سے یکے بعد دیگرے ملاقات میں سمیٹ لیا ہے۔ اردو میں اس سے بہتر طنزیہ ناول شاید ہی لکھا گیا ہو۔

عملی کام

☆ اس کہانی کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

© NCERT not to be republished

حصّۂ نظم

© NCERT not to be republished

رُباعی

رُباعی چار مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔اس صنف کو ''دوبیتی'' اور ''ترانہ'' بھی کہا جا تا ہے۔لیکن چار مصرعوں والی ہر نظم ''رباعی'' نہیں ہوتی۔اس کی ایک خاص بحر ہوتی ہے جسے بحرِ ہزج کہا جاتا ہے۔رُباعی کے لیے اِس فن کے استادوں نے 24 اوزان مقرر کیے ہیں۔ اِن کے علاوہ کسی اور وزن میں رباعی نہیں کہی جاتی۔ وزن و بحر کی پابندی کے علاوہ رباعی کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ اس کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہو۔ اس کے چاروں مصرعے بھی ہم قافیہ ہو سکتے ہیں۔

رُباعی کا چوتھا مصرع سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ یہ مصرع جتنا زیادہ زور دار اور برجستہ ہوتا ہے رُباعی اتنی ہی بہتر مانی جاتی ہے۔ رُباعی میں حسن وعشق، فلسفہ واخلاق، رندی وسرمستی، پندو موعظت اور مذہب و تصوّف کے علاوہ شاعر کے ذاتی حالات و تجربات، محسوسات اور افکار ومشاہدات کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ اس میں مظاہرِ فطرت کی عکاسی بھی کی جاتی ہے۔

© NCERT not to be republished

جگت موہن لال رَواںؔ

(1889 – 1934)

جگت موہن لال نام، رواں تخلص تھا۔اناّ وَ میں پیدا ہوئے۔رواں بچپن ہی سے بے حد محنتی اور ذہین تھے۔اُنھوں نے ایم۔اے اور ایل۔ایل۔بی کی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد اناؤ میں وکالت شروع کردی اور اس پیشے میں بڑی شہرت اور کامیابی حاصل کی۔

رواں کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔انھوں نے غزل،نظم،مثنوی اور رباعی جیسی اصناف کو اپنے تخلیقی اظہار کا ذریعہ بنایا لیکن رباعی کہنے میں بڑی شہرت ومقبولیت حاصل کی۔اُن کی رباعیوں میں فکروفن کا گہرا امتزاج ملتا ہے۔معیاری زبان و اسلوب،لطیف تشبیہات واستعارات اورموثر اندازِ بیان ان کی رباعیوں کی مخصوص پہچان ہے۔

ایک مثنوی ''نقدِ رواں'' اور دوشعری مجموعے ''رباعیاتِ رواں'' اور ''روحِ رواں'' اُن کی یادگار کتابیں ہیں۔

رُباعیاں

①

کیا تم سے بتائیں عمرِ فانی کیا تھی
بچپن کیا چیز تھی جوانی کیا تھی
یہ گل کی مہک تھی وہ ہوا کا جھونکا
اک موجِ فنا تھی، زندگانی کیا تھی

(جگت موہن لال رواںؔ)

مشق

لفظ و معنی

فانی	:	ختم ہونے والی، مٹ جانے والی
موجِ فنا	:	مٹ جانے والی موج
مہک	:	خوش بو

سوالات

1۔ رباعی کی تعریف بیان کیجیے۔ اس صنف کو رباعی کے علاوہ اور کیا کہا جاتا ہے؟

2۔ اس رباعی میں شاعر کیا بات کہنا چاہتا ہے؟

© NCERT not to be republished

غور کرنے کی بات

☆ شاعر نے اس رباعی میں بچپن کو پھول کی مہک سے اور جوانی کو ہوا کے جھونکے سے تعبیر کیا ہے۔

②

دنیا سو سو طرح سے بہلاتی ہے
سامانِ خوشی سے روح گھبراتی ہے
اب فکرِ فنا نے کھول دی ہیں آنکھیں
کلفت ہر بات میں نظر آتی ہے

(جگت موہن لال رواںؔ)

© NCERT not to be republished

مشق

لفظ و معنی

فکرِ فنا	:	موت کی فکر
کلفت	:	رنج، غم، تکلیف

سوالات

1۔ دنیا کی خوشی سے روح کیوں گھبرا رہی ہے؟

2۔ ''کھول دی ہیں آنکھیں'' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

غور کرنے کی بات

☆ زندگی اور موت کی حقیقت ظاہر ہو جانے کے بعد زندگی کی ہر خوشی بے معنی نظر آنے لگتی ہے۔

③

یہ کیا کہ حیاتِ جاودانی کیا ہے
پہلے دیکھو جہانِ فانی کیا ہے
اس فکر میں ہو کہ موت کیا شے ہے رواںؔ
یہ بھی سمجھے کہ زندگانی کیا ہے

(جگت موہن لال رواںؔ)

© NCERT not to be republished

مشق

لفظ و معنی

حیاتِ جاودانی	:	ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی
جہانِ فانی	:	فنا ہو جانے والی دنیا، مٹ جانے والی دنیا

سوالات

1۔ حیاتِ جاودانی سے شاعر کی مراد کیا ہے؟

2۔ اس رباعی میں شاعر نے کیا بات کہنا چاہی ہے؟

غور کرنے کی بات

☆ اس رباعی میں شاعر نے زندگی کی حقیقت پر گہرائی سے غور کرنے کی دعوت دی ہے۔

عملی کام

☆ جگت موہن لال رواںؔ کا شعری مجموعہ ''رباعیات رواںؔ'' حاصل کرکے ان کی دوسری رباعیات بھی غور سے پڑھیے۔

© NCERT not to be republished

نظم

نظم کے معنی ''انتظام، ترتیب یا آرائش'' کے ہیں۔ عام اور وسیع مفہوم میں یہ لفظ نثر کے مدِّ مقابل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد پوری شاعری ہوتی ہے۔ اس میں وہ تمام اصناف شامل ہیں جو ہیئت کے اعتبار سے نثر نہیں ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں غزل کے علاوہ تمام اصناف میں کی جانے والی شاعری کو ''نظم'' کہتے ہیں۔

نظم کا ایک مرکزی خیال ہوتا ہے جس کے گرد پوری نظم کا تانا بانا بُنا جاتا ہے۔ خیال کا تدریجی ارتقا بھی نظم کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ طویل نظموں میں یہ ارتقا واضح ہوتا ہے جب کہ مختصر نظموں میں یہ ارتقا واضح نہیں ہوتا اور اکثر و بیشتر ایک تاثّر کی شکل میں اُبھرتا ہے۔

نظم کے لیے نہ تو ہیئت کی کوئی قید ہے اور نہ موضوعات کی۔ چنانچہ اردو میں غزل اور مثنوی کی ہیئت میں بھی نظمیں کہی گئی ہیں۔ نظم گو شعرا کے یہاں ترکیب بند اور ترجیع بند کی ہیئت بہت مقبول رہی ہے۔ ان دنوں معرّا، آزاد اور نثری نظم کی ہیئت کا چلن عام ہے۔

ہیئت کے اعتبار سے نظم کی چار قسمیں ہو سکتی ہیں:

1۔ پابند نظم

ایسی نظم جس میں بحر کے استعمال اور قافیوں کی ترتیب میں مقررہ اصولوں کی پابندی کی گئی ہو، پابند نظم کہلاتی ہے۔ نئے انداز کی ایسی نظمیں بھی، جن کے بندوں کی ساخت مروجہ ہیئتوں سے مختلف ہو یا جن کے مصرعوں میں قافیوں کی ترتیب مروجہ اصولوں کے مطابق نہ ہو، لیکن ان کے تمام مصرعے برابر کے ہوں اور ان میں قافیے کا التزام پایا جائے، پابند نظمیں کہلاتی ہیں۔

© NCERT not to be republished

2۔ نظم معرّا

ایسی نظم جس کے تمام مصرعے برابر کے ہوں مگر ان میں قافیے کی پابندی نہ ہو،نظمِ معرّا کہلاتی ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے نظمِ عاری بھی کہا ہے۔آج کل اسے نظم معرّا ہی کہا جاتا ہے۔

3۔ آزاد نظم

ایسی نظم جس میں نہ تو قافیے کی پابندی کی جاتی ہے، نہ ہی تمام مصرعے برابر ہوتے ہیں یعنی جس کے مصرعے چھوٹے بڑے ہوتے ہیں تاہم بحر کی پابندی کی جاتی ہے۔

4۔ نثری نظم

نثری نظم چھوٹی بڑی نثری سطروں پر مشتمل ہوتی ہے۔اس میں نہ تو ردیف اور قافیے کی پابندی ہوتی ہے اور نہ ہی وزن کی۔آج کل نثری نظم کا رواج دُنیا کی تمام زبانوں میں عام ہے۔

© NCERT not to be republished

بِرج نرائن چکبستؔ

(1882 – 1926)

بِرج نرائن چکبستؔ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی اور وہیں وکالت کرنے لگے۔ان کا انتقال رائے بریلی میں ہوا اور آخری رسوم لکھنؤ میں ادا کی گئیں۔

چکبستؔ، میر انیسؔ کے اُسلوبِ شاعری سے زیادہ متاثر تھے۔اُن کے کلام میں سادگی، سلاست، روانی اور ایک مترنّم فضا پائی جاتی ہے۔ چکبستؔ نے بھی شاعری کا آغاز غزل سے کیا، بعد میں حُب الوطنی کے جذبے کے تحت قومی نظمیں لکھنے لگے۔ اُن کی نظموں میں قدرتی مناظر کی عکّاسی، بیداریِ وطن کے جذبات، آزادی کی تڑپ اور دردمندی کے پہلو نمایاں ہیں۔ چکبستؔ نے احباب، بزرگوں اور قومی رہنماؤں کے مرثیے بھی لکھے ہیں اور اُن کی سیرت کی عمدہ عکاسی کی ہے۔ 'صبحِ وطن' ان کے مجموعے کا نام ہے۔

© NCERT not to be republished

5286CH14

پھوٗل مالا

رَوشِ خام پہ مَردوں کی نہ جانا ہرگز
داغ تعلیم میں اپنی نہ لگانا ہرگز

نام رکھا ہے نمائش کا ترقی و رِفارم
تم اِس انداز کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز

رنگ ہے جن میں، مگر بوئے وفا کچھ بھی نہیں
ایسے پھولوں سے نہ گھر اپنا سجانا ہرگز

نقل یورپ کی مناسب ہے، مگر یاد رہے
خاک میں غیرتِ قومی نہ ملانا ہرگز

خود جو کرتے ہیں زمانے کی روش کو بد نام
ساتھ دیتا نہیں ایسوں کا زمانا ہرگز

خود پرستی کو لقب دیتے ہیں آزادی کا
ایسے اخلاق پہ ایمان نہ لانا ہرگز

رنگ و روغن تمھیں یورپ کا مبارک لیکن
قوم کا نقش نہ چہرے سے مٹانا ہرگز

جو بناتے ہیں نمائش کا کھلونا تم کو
اُن کی خاطر سے یہ ذلت نہ اُٹھانا ہرگز

رُخ سے پردے کو ہٹایا، تو بہت خوب کیا
پردۂ شرم کو دل سے نہ اُٹھانا ہرگز

تم کو بخشا ہے جو قدرت نے حیا کا زیور
مول اِس کا نہیں قاروں کا خزانا ہرگز

دِل تمھارا ہے وفاؤں کی پرستش کے لیے
اِس محبت کے شوالے کو نہ ڈھانا ہرگز

پوجنے کے لیے مندر ہے جو آزادی کا
اِس کو تفریح کا مرکز نہ بنانا ہرگز

نقد اخلاق کا ہم نل کی طرح ہار چکے
تم ہو دَمینت، یہ دولت نہ لُٹانا ہرگز

خاک میں دفن ہیں مذہب کے پُرانے پاکھنڈ
تم یہ سوتے ہوئے فتنے نہ جگانا ہرگز

اپنے بچّوں کی خبر قوم کے مَردوں کو نہیں
یہ ہیں معصوم، اِنھیں بھول نہ جانا ہرگز

اُن کی تعلیم کا مکتب ہے تمھارا زانوٗ
پاس مردوں کے نہیں ان کا ٹھکانا ہرگز

کاغذی پھول ولایت کے دکھا کر اِن کو
دیس کے باغ سے نفرت نہ دِلانا ہرگز

نغمۂ قوم کی لے جس میں سما ہی نہ سکے
راگ ایسا کوئی اِن کو نہ سکھانا ہرگز

© NCERT not to be republished

پرورش قوم کی دامن میں تمھارے ہوگی — یاد اِس فرض کی دِل سے نہ بُھلانا ہرگز
گو بُزرگوں میں تمھارے نہیں اُس وقت کا رنگ — اِن ضعیفوں کو نہ ہنس ہنس کے رُلانا ہرگز
ہوگا پرلے، جو گِرا آنکھ سے اِن کی آنسوٗ — بچپنے سے نہ یہ طوفان اُٹھانا ہرگز
ہم تمھیں بھول گئے، اِس کی سزا پاتے ہیں — تم ذرا اپنے تئیں بھول نہ جانا ہرگز

کس کے دل میں ہے وَفا؟ کس کی زباں میں تاثیر؟
نہ سُنا ہے، نہ سنو گی یہ فسانا ہرگز!

(پنڈت برج نرائن چکبستؔ)

مشق

لفظ ومعنی

روشِ خام	:	غلط راہ
رفارم	:	انگریزی لفظ Reform یعنی اصلاح ،سُدھار
ہرگز	:	بالکل
غیرت	:	شرم
قارون	:	ایک دولت مند بادشاہ کا نام
پرستش	:	عبادت
مکتب	:	مدرسہ
پرلے	:	قیامت
داغ	:	دھبّا،مراد بدنامی
خود پرستی	:	اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنا

© NCERT not to be republished

لقب	:	نام
رنگ و روغن	:	مراد سجاوٹ کا سامان، سجنا سنورنا
نقد اخلاق	:	اخلاق ،شرافت کا سرمایہ
پاکھنڈ	:	دکھاوا، غلط مذہبی رسمیں، دھوکا دھڑی
زانو	:	ران، جانگھ
پرلے	:	قیامت، دنیا کا آخری دن
نل و دَمینتی	:	ہندو دیو مالا کے دو کردار

سوالات

1۔ 'داغ تعلیم میں اپنی نہ لگانا ہرگز' شاعر نے یہ کیوں کہا ہے؟
2۔ یورپ کی نقل کرنے کو کیوں منع کیا گیا ہے؟
3۔ دل سے پردۂ شرم اٹھانے کا کیا مطلب ہے؟
4۔ اس نظم میں شاعر نے کیا بات کہنا چاہی ہے؟

زبان وقواعد

- جس طرح اسم کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔اسم معرفہ،اسم نکرہ اسی طرح ضمیر جو اسم کی جگہ بولا جاتا ہے جیسے، وہ،تم، میں، اس کا،انھوں نے وغیرہ کی کئی قسمیں قواعد کی زبان میں بیان کی جاتی ہیں۔اس نظم میں ضمیر کی قسمیں پہچانیے۔جس سے پتا چل سکے کہ ضمیر متکلّم ،حاضر اور غائب کہاں کہاں استعمال ہوئے ہیں۔
- روشِ خام، پردۂ شرم،نغمۂ قوم ،غیرتِ قومی جیسے اضافی مرکبات کی وضاحت کیجیے۔

☆ نیچے لکھے ہوئے الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

پرستش   شوالے   پاکھنڈ   تاثیر   مکتب   زانو

© NCERT not to be republished

غور کرنے کی بات

ترقی کے نام پر یوروپ کی نقل کر کے ہم اپنی تہذیب اور ثقافت کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ آنے والی نسلوں کے اخلاقی اقدار کے لیے ہمیں خود کو اپنی تہذیب میں ڈھالنا ہوگا۔

عملی کام

☆ نیچے لکھے اشعار کی تشریح کیجیے:

رَوِشِ خام پہ مردوں کی نہ جانا ہرگز
داغ تعلیم میں اپنی نہ لگانا ہرگز

نقل یورپ کی مناسب ہے، مگر یاد رہے
خاک میں غیرتِ قومی نہ ملانا ہرگز

خود پرستی کو لقب دیتے ہیں آزادی کا
ایسے اخلاق پہ ایمان نہ لانا ہرگز

دِل تمھارا ہے وفاؤں کی پرستش کے لیے
اِس محبت کے شوالے کو نہ ڈھانا ہرگز

اپنے بچوں کی خبر قوم کے مَردوں کو نہیں
یہ ہیں معصوم، انھیں بھول نہ جانا ہرگز

© NCERT not to be republished

طویل نظم

اردو میں طویل نظم کا چلن بیسویں صدی کے دوران عام ہوا۔ کلاسیکی شاعری میں مثنوی، مرثیہ اور قصیدہ بھی طویل نظم ہی ہیں۔ لیکن یہ اصناف روایتی انداز کی ہیں۔ انھیں ہم اردو کی معروف طویل نظموں مثلاً خضرِ راہ (اقبالؔ) نئی دنیا کو سلام (سردارؔ جعفری)، صلصلۃ الجرس، سند باد، شہرزاد اور شب گشت (عمیقؔ حنفی) پرچھائیاں (ساحرؔ لدھیانوی) 1857 (راہی معصوم رضاؔ) کے ساتھ نہیں رکھتے۔

ساحرؔ لدھیانوی اپنے زمانے کے مقبول ترین شاعروں میں سے تھے۔ ان کا شعری مجموعہ 'تلخیاں' کے عنوان سے 1955 میں شائع ہوا۔ اس کے متعدد اڈیشن بعد میں آئے اور خاص و عام میں یکساں طور پر مقبول ہوئے۔ ساحرؔ چھوٹے چھوٹے اور عام انسانی تجربوں کے شاعر تھے۔ انھوں نے ہندوستانی فلموں میں اپنے گیتوں، نظموں اور غزلوں کے ذریعے ایک نیا معیار قائم کیا۔

پرچھائیاں ساحرؔ کی بہت مشہور اور پسند کی جانے والی طویل نظم ہے۔ اس کا موضوع ''امن ہے''۔ پہلی اور دوسری عالمی جنگوں نے انسان کو اجتماعی موت کے اندیشے میں مبتلا کر دیا تھا۔ ساحرؔ نے اس نظم کے وسیلے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ نسل انسانی کی بقا کے لیے ہمیں کسی تیسری عالمی جنگ کے امکان کو جڑ سے ختم کرنا ہوگا۔ انسانی معاشرے اور تہذیب کی سب سے بڑی ضرورت امن ہے۔

نظم پرچھائیاں کو ایک طرح کا تخلیقی مقالہ (Creative Dissertation) بھی کہا جاسکتا ہے۔ خیال کی بدلتی ہوئی لہروں کے ساتھ نظم کے مصرعوں کی ہیئت اور آہنگ میں بھی تبدیلی ہوتی جاتی ہے لیکن نظم کے خاتمے تک پہنچتے پہنچتے اس نظم کا مرکزی خیال اور شاعر کا مقصد، دونوں پوری طرح روشن ہوجاتے ہیں۔ اس نظم کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہو چکا ہے۔

© NCERT not to be republished

ساحؔر لدھیانوی

(1921 — 1980)

ساحؔر لدھیانوی کا اصل نام عبدالحئی اور ساحؔر تخلص تھا۔ وہ لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لدھیانہ ہی میں حاصل کی، بعد میں لاہور چلے گئے۔ ''ادبِ لطیف'' اور ''سویرا'' کے ایڈیٹر رہے۔ پھر دہلی سے ''فن کار'' نکالا۔ تقسیمِ ملک کے بعد ساحؔر کو سخت حالات سے گزرنا پڑا۔ روزگار کی تلاش میں ممبئی پہنچے اور فلمی دنیا سے وابستہ ہو گئے۔ یہاں انھیں غیر معمولی کامیابی ملی۔

ساحؔر ایک فطری شاعر تھے۔ ان کے لہجے میں بہت سوز اور اثر تھا۔ ان کے کلام میں احساس کی دل کشی ہے اور یہی ان کی مقبولیت کا راز ہے۔ انھوں نے سماجی اور سیاسی مسائل پر بہت خوب صورت انداز میں شعر کہے ہیں۔ ''تلخیاں''، ''آؤ کہ کوئی خواب بنیں'' اور ''گاتا جائے بنجارہ'' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ امن کے موضوع پر ان کی نظم ''پرچھائیاں'' یادگار حیثیت رکھتی ہے۔

© NCERT not to be republished

پرچھائیاں

جوان رات کے سینے پہ دُودھیا آنچل
مچل رہا ہے کسی خوابِ مرمریں کی طرح
حسیں پھول، حسیں پتّیاں، حسیں شاخیں
لچک رہی ہیں کسی جسم نازنیں کی طرح
فضا میں گھُل سے گئے ہیں اُفق کے نرم خطوط
زمیں حسین ہے خوابوں کی سرزمیں کی طرح
تصوّرات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں
کبھی گمان کی صوٗرت کبھی یقیں کی طرح

وہ پیڑ جن کے تلے ہم پناہ لیتے تھے
کھڑے ہیں آج بھی ساکت کسی امیں کی طرح

انھیں کے سائے میں پھر آج دو دھڑکتے دل
خموش ہونٹوں سے کچھ کہنے سننے آئے ہیں
نہ جانے کتنی کشاکش سے کتنی کاوش سے
یہ سوتے جاگتے لمحے چُرا کے لائے ہیں
تصوّرات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں

وہ لمحے کتنے دِلکش تھے وہ گھڑیاں کتنی پیاری تھیں
وہ سہرے کتنے نازک تھے وہ لڑیاں کتنی پیاری تھیں
بستی کی ہر اک شاداب گلی خوابوں کا جزیرہ تھی گویا
ہر موجِ نفس ہر موجِ صبا، نغموں کا ذخیرہ تھی گویا

ناگاہ مہکتے کھیتوں سے ٹاپوں کی صدائیں آنے لگیں
بارود کی بوجھل بو لے کر پچّھم سے ہوائیں آنے لگیں
تعمیر کے روشن چہرے پر تخریب کا بادل پھیل گیا
ہر گاؤں میں وحشت ناچ اٹھی، ہر شہر میں جنگل پھیل گیا
مغرب کے مہذّب ملکوں سے کچھ خاکی وردی پوش آئے
اِٹھلاتے ہوئے مغرور آئے لہراتے ہوئے مدہوش آئے
خاموش زمیں کے سینے میں خیموں کی طنابیں گڑنے لگیں
مکّھن سی ملائم راہوں پر بوٹوں کی خراشیں پڑنے لگیں
فوجوں کے بھیانک بینڈ تلے چرخوں کی صدائیں ڈوب گئیں
انسان کی قیمت گرنے لگی اجناس کے بھاؤ چڑھنے لگے

© NCERT not to be republished

چوپال کی رونق گھٹنے لگی، بھرتی کے دفاتر بڑھنے لگے
بستی کے سجیلے شوخ جواں بن بن کے سپاہی جانے لگے
جس راہ سے کم ہی لوٹ سکے اس راہ پہ راہی جانے لگے
اِن جانے والے دستوں میں غیرت بھی گئی برنائی بھی
ماؤں کے جواں بیٹے بھی گئے بہنوں کے چہیتے بھائی بھی
بستی پہ اداسی چھانے لگی،میلوں کی بہاریں ختم ہوئیں
آموں کی لچکتی شاخوں سے جھولوں کی قطاریں ختم ہوئیں
دُھول اُڑنے لگی بازاروں میں بھوک اگنے لگی کھلیانوں میں
ہر چیز دکانوں سے اُٹھ کر روپوش ہوئی تہہ خانوں میں
بدحال گھروں کی بدحالی، بڑھتے بڑھتے جنجال بنی
مہنگائی بڑھ کر کال بنی، ساری بستی کنگال بنی
چرواہیاں رستہ بھول گئیں، پنہاریاں پنگھٹ چھوڑ گئیں
کتنی ہی کنواریں ابلائیں ماں باپ کی چوکھٹ چھوڑ گئیں
افلاس زدہ دہقانوں کے ہل بیل بکے کھلیان بکے
جینے کی تمنّا کے ہاتھوں،جینے کے سب سامان بکے

تصوّرات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں
تمھارے گھر میں قیامت کا شور برپا ہے
محاذِ جنگ سے ہرکارہ تار لایا ہے
کہ جس کا ذکر تمھیں زندگی سے پیارا تھا
وہ بھائی نرغۂ دشمن میں کام آیا ہے

© NCERT not to be republished

تصوّرات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں
ہر ایک گام پہ بدنامیوں کا جمگھٹ ہے
ہر ایک موڑ پر رسوائیوں کے میلے ہیں
نہ دوستی، نہ تکلّف، نہ دلبری، نہ خلوص
کسی کا کوئی نہیں آج سب اکیلے ہیں

تصوّرات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں
سورج کے لہو میں لِتھڑی ہوئی وہ شام ہے اب تک یاد مجھے
چاہت کے سنہرے خوابوں کا انجام ہے اب تک یاد مجھے

اس شام مجھے معلوم ہوا کھیتوں کی طرح اس دُنیا میں
سہمی ہوئی دوشیزاؤں کی مُسکان بھی بیچی جاتی ہے
اس شام مجھے معلوم ہوا اس کار گہہ زرداری میں
دو بھولی بھالی روحوں کی پہچان بھی بیچی جاتی ہے
اس شام مجھے معلوم ہوا جب باپ کی کھیتی چِھن جائے
ممتا کے سنہرے خوابوں کی انمول نشانی بِکتی ہے

سنگین حقائق زاروں میں،خوابوں کی رِدائیں جلتی ہیں
اور آج جب ان پیڑوں کے تلے پھر دو سائے لہرائے ہیں
پھر دو دل ملنے آئے ہیں
پھر موت کی آندھی اُٹھی ہے پھر جنگ کے بادل چھائے ہیں
میں سوچ رہا ہوں ان کا بھی اپنی ہی طرح انجام نہ ہو

© NCERT not to be republished

ان کا بھی جنوں ناکام نہ ہو
ان کے بھی مقدّر میں لکھّی اک خون میں لتھڑی شام نہ ہو
سورج کے لہو میں لتھڑی ہوئی وہ شام ہے اب تک یاد مجھے
چاہت کے سنہرے خوابوں کا انجام ہے اب تک یاد مجھے

بہت دنوں سے ہے یہ مشغلہ سیاست کا
کہ جب جوان ہوں بچّے تو قتل ہو جائیں
بہت دنوں سے یہ ہے خبط حکمرانوں کا
کہ دوٗر دوٗر کے ملکوں میں قحط بو جائیں

چلو کہ آج سبھی پائمال روحوں سے
کہیں کہ اپنے ہر اک زخم کو زباں کر لیں
ہمارا راز ہمارا نہیں، سبھی کا ہے
چلو کہ سارے زمانے کو رازداں کر لیں

چلو کہ چل کے سیاسی مقامروں سے کہیں
کہ ہم کو جنگ و جَدل کے چَلن سے نفرت ہے
جسے لہو کے سوا کوئی رنگ نہ راس آئے
ہمیں حیات کے اس پیرہن سے نفرت ہے
کہو کہ اب کوئی قاتل اگر ادھر آیا
تو ہر قدم پہ زمیں تنگ ہوتی جائے گی

© NCERT not to be republished

ہر ایک موجِ ہوا رُخ بدل کے جھپٹے گی
ہر ایک شاخ رگِ سنگ ہوتی جائے گی
اُٹھو کہ آج ہر اک جنگ جو سے یہ کہہ دیں
کہ ہم کو کام کی خاطر کلوں کی حاجت ہے
ہمیں کسی کی زمیں چھیننے کا شوق نہیں
ہمیں تو اپنی زمیں پر ہلوں کی حاجت ہے

یہ سرزمین ہے گوتم کی اور نانک کی
اس ارضِ پاک پہ وحشی نہ چل سکیں گے کبھی
ہمارا خون امانت ہے نسلِ نو کے لیے
ہمارے خون پہ لشکر نہ پل سکیں گے کبھی
کہو کہ آج بھی ہم سب اگر خموش رہے
تو اس دمکتے ہوئے خاکداں کی خیر نہیں
جنوں کی ڈھالی ہوئی ایٹمی بلاؤں سے
زمیں کی خیر نہیں، آسماں کی خیر نہیں
گذشتہ جنگ میں گھر ہی جلے مگر اس بار
عجب نہیں کہ یہ تنہائیاں بھی جل جائیں
گذشتہ جنگ میں پیکر جلے مگر اس بار
عجب نہیں کہ یہ پرچھائیاں بھی جل جائیں
تصوّرات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں

(ساحرؔ لدھیانوی)

© NCERT not to be republished

مشق

لفظ و معنی

مرمریں	:	سفید یا نیل گو چمک دار پتھر
امیں / امین	:	امانت دار
کشاکش	:	کھینچ تان
شاداب	:	ہرا بھرا، تروتازہ
صبا	:	صبح کی ٹھنڈی ہوا
تخریب	:	خرابی، بربادی
وحشت	:	دیوانگی
مدہوش	:	متوالا
طناب	:	خیمے کی رسّی
خراش	:	زخم کی ہلکی لکیر
اجناس	:	جنس کی جمع، چیزیں
سجیلے	:	بانکے، خوش وضع
برنائی	:	جوانی
کھلیان	:	وہ جگہ جہاں اناج کا ڈھیر رکھا جائے
افلاس	:	مفلسی، غریبی
دہقان	:	کاشت کار، کسان
نرغہ	:	بھیڑ، گھیرا
رسوائیاں	:	بدنامیاں

© NCERT not to be republished

گام	:	قدم
دوشیزہ	:	کنواری لڑکی
رِدا	:	چادر
خبط	:	پاگل پن
قحط	:	سوکھا
پائمال	:	پیروں تلے کچلے ہوئے
مقامر	:	جواری
جدل	:	لڑائی
حاجت	:	ضرورت
پیکر	:	شکل، صورت، جسم
خاک	:	مٹّی
خاکداں	:	مرادی معنی دنیا

سوالات

1۔ شاعر نے زمین کو کس کی مانند بتایا ہے؟

2۔ لمحوں کو چرا کر کون لایا ہے؟

3۔ شاعر نے جنگ بند کرنے کے لیے کن لوگوں کو مخاطب کیا ہے؟

4۔ شاعر نے اس زمین کو کس سے منسوب کیا ہے؟

5۔ شاعر کو کن چیزوں کے تباہ ہو جانے کا ڈر ہے؟

6۔ شاعر نے کن کن ادوار کا موازنہ کیا ہے؟

زبان وقواعد

- نظم میں شاعر نے جن مختلف تشبیہات کا استعمال کیا ہے انھیں اپنی کاپی میں لکھیے۔

© NCERT not to be republished

- نظم میں شاعر نے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے مشرق اور مغرب کی تہذیب کا موازنہ ہوتا ہے۔ان الفاظ کومشرق اور مغرب کے ذیل میں لکھیے ۔

غور کرنے کی بات

- انسان ازل سے ہی جنگ اور امن کے بیچ پھنسا ہوا ہے۔ جنگ کے نقصانات سے ہم واقف ہیں۔حساس دانشوروں مفکروں ادیبوں شاعروں نے ہمیں جنگ کی تباہ کاریوں سے آگاہ کیا ہے۔انسانیت کی بقا اور ترقی کے لیے امن ضروری ہے۔
- اس دنیا میں امن قائم کرنا سب کی ذمے داری ہے۔
- اس نظم کا مرکزی خیال انگریزوں کی آمد کے بعد ہندوستانی تہذیب کا آہستہ آہستہ مٹتے چلے جانا ہے یعنی آزاد قوم ہی اپنی تہذیب اور ثقافت کا تحفظ کرسکتی ہے۔
- غلام قوم اپنی تہذیب وثقافت کی حفاظت نہیں کرسکتی۔نظم پرچھائیاں، بظاہر ایک فن کار کے خیالات کی مظہر ہے لیکن یہ اجتماعی دکھ بن کر سامنے آتی ہے۔

عملی کام

☆ نظم میں پیش کیے گئے خیالات کو اپنے الفاظ میں لکھیے ۔

© NCERT not to be republished

مثنوی

مثنوی عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں دو دو کیا گیا۔ادب کی اصطلاح میں مسلسل اشعار کے اس مجموعے کو ''مثنوی'' کہتے ہیں جس میں شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔لیکن ہر شعر کا قافیہ الگ ہوتا ہے۔مثنوی کے لیے اشعار کی تعداد مقرر نہیں ہے۔اردو میں طویل مثنویاں بھی لکھی گئی ہیں اور مختصر بھی۔میر حسنؔ کی ''سحر البیان'' اور دیا شنکر نسیمؔ کی ''گلزارِ نسیم'' طویل مثنویاں ہیں۔نواب مرزا شوقؔ کی ''زہرِ عشق'' نہ بہت طویل ہے نہ مختصر۔حالیؔ کی ''مناجاتِ بیوہ'' اور اقبالؔ کا ''ساقی نامہ'' مختصر مثنویاں ہیں۔

طویل مثنویوں میں عام طور پر درج ذیل آٹھ اجزا ہوتے ہیں :

1۔ حمد و مناجات	2۔ نعت
3۔ منقبت	4۔ حاکمِ وقت کی مدح
5۔ اپنی شاعری کی تعریف	6۔ مثنوی لکھنے کا سبب
7۔ قصہ یا واقعہ	8۔ خاتمہ

ضروری نہیں کہ ہر مثنوی میں یہ تمام اجزا موجود ہوں۔موضوعات کے لحاظ سے مثنوی کا دامن بہت وسیع ہے۔

اردو کی قدیم مثنویوں میں زیادہ تر عشقیہ قصے اور مذہبی واخلاقی مضامین نظم کیے گئے ہیں۔مثنویوں میں تہذیب و معاشرت کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔

© NCERT not to be republished

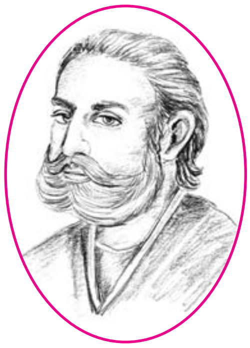

میرؔ تقی میرؔ

(1722 – 1810)

میر تقی میرؔ آگرہ (اکبرآباد) میں پیدا ہوئے۔ وہ دس سال ہی کے تھے کہ ان کے والد محمد علی عرف علی متقی کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ وہ آگرہ سے دہلی منتقل ہو گئے۔ اپنے سوتیلے ماموں اور اُردو کے مشہور شاعر و ادیب سراج الدین علی خانِ آرزوؔ کے ساتھ قیام رہا اور اُن سے علمی و ادبی فیض اُٹھایا۔ دہلی ہی میں ان کی ملاقات سید سعادت علی امروہوی سے ہوئی جنھوں نے میرؔ کو اُردو میں شعر گوئی کی طرف راغب کیا۔ 1782 میں نواب آصف الدولہ کی دعوت پر وہ لکھنؤ چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ میرؔ کا انتقال لکھنؤ میں ہوا۔

میرؔ نے بڑی تعداد میں شعر کہے ہیں۔ اُردو میں ان کے چھے دیوان ہیں۔ انھوں نے غزل کے علاوہ بہت اچھی مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ ان کی بڑائی کا اعتراف سب نے کیا ہے۔

میرؔ نے مثنویوں میں خیالی قصّوں کے بجائے حقیقی واقعات بیان کیے ہیں۔ کتاب میں شامل اس مثنوی میں میرؔ نے اپنے گھر کی ابتری کا حال بیان کیا ہے۔

© NCERT not to be republished

5286CH16

اپنے گھر کا حال

کیا کہوں میر اپنے گھر کا حال
اس خرابی میں، میں ہوا پامال

چار دیواری سو جگہ سے خم
تر تنک ہو تو سوکھتے ہیں ہم

لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی
آہ! کیا عمر بے مزہ کاٹی

بان جھینگر تمام چاٹ گئے
بھیگ کر بانس پھاٹ پھاٹ گئے

تنکے جاندار ہیں جو بیش و کم
ان پہ چڑیوں کی جنگ ہے باہم

ایک کھینچے ہے چونچ سے کرزور
ایک مکڑی پہ کر رہی ہے زور

بوریا پھیل کر بچھا نہ کبھو
کونے ہی میں کھڑا رہا یک سُو

ڈیوڑھی کی یہ خوبی گھر ایسا
چھپّر اِس چوچلے کا در ایسا

جنس اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ
پائے پٹّی رہے ہیں جس کے پھاٹ

کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی
چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی

شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں
سر پہ روزِ سیاہ لاتا ہوں

© NCERT not to be republished

کیڑا ایک ایک پھر مکوڑا ہے
کھانے کو شام ہی سے دوڑا ہے

ایک چٹکی میں ایک چھنگلی پر
اک انگوٹھے پہ ایک انگلی پر

گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا
پر مجھے کھٹملوں نے مِل مارا

ملتے راتوں کو گھس گئیں پوریں
ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں

ہاتھ تکیہ پہ گہہ بچھونے پر
کبھی چادر کے کونے کونے پر

جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان
ساری کھاٹوں کی چولیں نکلیں ندان

نہ کھٹولا نہ کھاٹ سونے کو
پائے پٹّی لگائے کونے کو

سوتے تنہا نہ بان میں کھٹمل
آنکھ منہ ناک کان میں کھٹمل

اِک ہتیلی میں ایک گھائی میں
سینکڑوں ایک چارپائی میں

ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کہیے
کب تلک یوں ٹٹولتے رہیے

یہ جو بارش ہوئی تو آخر کار
اس میں سی سالہ وہ گری دیوار

ایسے ہوتے ہیں گھر میں تو بیٹھے
جیسے رستے میں کوئی ہو بیٹھے

دو طرف سے تھا کتّوں کا رستہ
کاش جنگل میں جاکے میں بستا

ہو گھڑی دو گھڑی تو دھتکاروں
ایک دو کتّے ہوں تو میں ماروں

چار جاتے ہیں چار آتے ہیں
چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں

دن کو ہے دھوپ رات کو ہے اوس
خوابِ راحت یہاں سے سو سو کوس

قصّہ کوتاہ! دن اپنا کھوتا ہوں
رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں

نہ اثر بام کا، نہ کچھ در کا
گھر ہے کاہے کا نام ہے گھر کا

(میرؔ)

© NCERT not to be republished

مشق

لفظ و معنی

پامال	:	روندا ہوا، پاؤں سے ملا ہوا
خم	:	ٹیڑھا
لونی	:	وہ نمکین مٹی جو دیواروں سے جھڑتی ہے
بیش و کم	:	زیادہ کم
تر	:	نم، بھیگا ہوا
کبھو	:	کبھی، کسی وقت
روزِ سیاہ	:	مصیبت کا دن، مصیبت میں مبتلا ہونا
گہہ	:	کبھی
ندان	:	آخر کار
سی سالہ	:	تیس سال کا
دُھتکار	:	لعنت، ملامت
بام	:	چھت
چوچلا	:	نخرا، ادائیں
در	:	دروازہ
جنس	:	چیز
ٹُنک	:	تھوڑا
بان	:	وہ ڈوری یا رسّی جس سے پلنگ بُنی جاتی ہے
کھٹولا	:	چھوٹی کھاٹ یا چارپائی جس پر بچّے سوتے ہیں

© NCERT not to be republished

سوبھی : وہ بھی
عَف عَف : کتّوں کے غرّانے کی آواز
راحت : آرام، سکون
قصّہ کوتاہ : مختصر یہ کہ

سوالات

1۔ 'اس خرابی میں، میں ہوا پامال' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
2۔ میؔر نے اپنے گھر میں کھٹملوں کا ذکر کس طرح کیا ہے؟
3۔ شاعر نے گھر کو راستہ کیوں کہا ہے؟
4۔ عف عف سے مَغز کھانے کا کیا مطلب ہے؟
5۔ میؔر نے یہ کیوں کہا ہے ''گھر ہے کا ہے کا نام ہے گھر کا'؟

زبان وقواعد

- نیچے لکھے مصرعوں کو مکمل کیجیے:

کیا کہوں میرا اپنے گھر کا حال..
لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی..
....سر پہ روزِ سیاہ لاتا ہوں
یہ جو بارش ہوئی تو آخر کار..
....جیسے رستے میں کوئی ہو بیٹھے
قصّہ کوتاہ! دن اپنا کھوتا ہوں..
....گھر ہے کا ہے کا نام ہے گھر کا

© NCERT not to be republished

غور کرنے کی بات

میرؔ کی یہ ایک نہایت دل چسپ مثنوی ہے۔ میرؔ نے اس مثنوی میں اپنے گھر کی بدحالی کو ایک خاص انداز سے بیان کیا ہے۔ اس نظم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں تقریباً ہر شعر کے الفاظ ایک دوسرے سے کوئی نہ کوئی مناسبت رکھتے ہیں۔

عملی کام

☆ اس مثنوی کا خلاصہ لکھیے۔

© NCERT not to be republished